کرمی دار الکتب کراچی

اصلاحی دروس

اللّٰھم

صلِّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ

کما صلیتَ علیٰ ابراہیمَ وعلیٰ آلِ ابراہیمَ

انک حمیدٌ مجیدٌ

اللّٰھم

بارِک علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ

کما بارکتَ علیٰ ابراہیمَ وعلیٰ آلِ ابراہیمَ

انک حمیدٌ مجیدٌ

بسلسلہ مشکوۃ نبوتؐ

اصلاحی دروس
جلد ہفتم

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

نام کتاب:۔ اصلاحی دروس جلد ہفتم

افادات حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب

باہتمام:۔ عاصم برادران سلمہم الرحمن

صفحات:۔ 304

سن طباعت:۔ فروری 2020

تعداد:۔ 1,100

قیمت:۔

کمپوزنگ: کبیر احمد نور
0342-3009302

کرامی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

asim@JamiaHammadia.com

www.JamiaHammadia.com

اجمالی فہرست

اصلاحی دروس

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنے پروردگار کا کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حماد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ وبانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی) کے بیانات جومختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، رسائل کی شکل میں شائع ہورہے ہیں۔ اب ان رسائل کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس کی جلد ہفتم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

پھر میں خصوصی شکر گزار ہوں استاد العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس سرہ) کا جنہوں نے اس کام میں میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر موقع پر مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر ہمارے اوپر قائم رکھے آمین۔

آخر میں میں اپنے ان محبین ومخلصین دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کسی بھی طور پر شریک ہوئے اور میرے ساتھی ومعاون بنے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اوران کے اموال میں برکت عطا فرمائے۔

محتاج دعا: عاصم عبداللہ

تفصیلی فہرست

طلبائے دین کا مقام و فضیلت

علمائے دین کا مقام و فضیلت

مشروبات کے آداب اور احکام

سلام اور مصافحہ کے آداب

حسد ایک مہلک گناہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل کی بات

عاصم عبداللہ بن حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ ملک اور بیرون ملک کی ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت تھے، اور ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''جامعہ حمادیہ'' شاہ فیصل کالونی کراچی کے بانی ومہتمم کے علاوہ کئی مدارس ومساجد کے سرپرست بھی رہے بحمداللہ اہل علم میں ایک خاص مقام تھا۔

حضرت والد صاحبؒ کا شمار شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد خاص اور قطب الاقطاب حضرت حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز اور اخص الخاص خلفاء میں ہوتا ہے۔

حضرت والد صاحبؒ جب تک اس دنیاء فانی میں رہے تواضع اور اخفاء کے ساتھ رہے لیکن اس کے باوجود کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت، شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر فائز فرمایا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے

آپ کو درس قرآن اور درس حدیث اور دیگر اصلاحی موضوعات پر بیان کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا، آپ کا یہ بیان جامعہ حمادیہ میں ہو یا جامع مسجد حفیظیہ میں یا علاقے اور شہر کی کسی مسجد میں ہو، یا کسی عام جگہ پر ہو لوگ دور دور سے ان بیانات کو سننے کیلئے آتے تھے۔

آپ کے یہ بیانات عوام اور خواص دونوں کے لئے تریاق ثابت ہوا ہے اور اس سے سینکڑوں لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں آئیں جن کے چہروں پر داڑھیاں نہ تھیں انہوں نے سنت کے مطابق داڑھی رکھ لی اور حرام آمدن والوں نے حلال ذرائع آمدن اپنا لئے، جن کا گھریلو ماحول بے دینی کا تھا، انہوں نے اپنے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینی شروع کر دی۔

حضرت والد صاحب نوّر اللہ مرقدہ کی بات سننے والوں کے دل میں اترتی چلی جاتی تھی سننے والا اپنے اندر ایمانی حلاوت محسوس کرتا تھا حضرت والد صاحبؒ کے بیانات میں جو تاثیر تھی اور جو خیر و برکت تھی اسکی ایک وجہ تو حضرت والد صاحبؒ کی للّٰہیت اور خلوص تھا اور دوسری وجہ الفاظ میں نہ کوئی تصنع اور نہ کوئی بناوٹ سہل ترین الفاظ آپکے بیانات کا حصہ ہوتے تھے۔

بعض احباب حضرتؒ کی ان تقاریر کو کیسٹ میں محفوظ کر کے مستفید ہوتے رہے الحمدللہ ان کیسٹوں کا خاطر خواہ ذخیرہ محفوظ ہے، جسے کمپیوٹر میں

بھی محفوظ کیا جاچکا ہے ،اوراب بحمداللہ اصلاح وتربیت کا یہ عظیم خزانہ کاغذوں پربھی منتقل کیا جارہا ہے۔

جب یہ تحریری افادات سینکڑوں صفحات میں محفوظ ہوگئے تو حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے بہت سے قریبی احباب نے بااصرار مشورہ دیا کہ ان افادات کو جومختلف موضوعات پر ہیں عنوانات کے تحت مرتب کر کے رسائل کی صورت میں شائع کیا جائے ،تاکہ ان کا فائدہ عوام الناس کو پہنچے ، مجھے انکی رائے بہت پسند آئی ، پھراس پر دلجمعی کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا۔

بحمداللہ ہرسال تقریباً پانچ سے چھ کتابچے تیار ہوکرچھپ کرمنظرعام پر آجاتے ہیں،متعدد کتابچے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں اول تا آخرخود ملاحظہ فرمائے ،خوشی اورمسرت کااظہار فرمایا،دل سے پرخلوص دعاؤں سےنوازا،وہی دعائیں آج میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔

فی الحال حضرت نوراللہ مرقدہ کے درسِ حدیث کے سلسلے ''مشکوٰۃ نبوت'' کوجو ماہنامہ الحماد میں ہر ماہ شائع ہوتارہا موضوع کی مناسبت سے ''کریمی دارالکتب'' کی طرف سے اِسے کتابچے شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

بحمداللہ اب تک تین درجن سے زائد کتابچے شائع ہوچکے ہیں جولوگوں کی اصلاح کاذریعہ بن رہے ہیں۔

اب محبین ومخلصین کے اصرار پر ان مطبوعہ رسائل کے مجموعہ کو کتابی شکل میں بنام ''اصلاحی دروس'' شائع کر رہے ہیں، جس کی جلد ہفتم پیش خدمت ہے۔ آٹھویں جلد کیلئے بھی کام شروع کر دیا گیا ہے جس کی تکمیل کیلئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ امت کو اس مفید سلسلے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونیکی توفیق عطا فرمائے، اور ہماری مغفرت ونجات اور حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عاصم عبداللہ
استاد ومفتی جامعہ حمادیہ کراچی
۲؍رجب المرجب ۱۴۴۱ھ
مطابق ۲۵؍فروری ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ تحریر

استاد العلما والمشائخ، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ باب الاسلام ٹھٹہ سندھ

خلیفہ مجاز

حضرت اقدس، ولی کامل، پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

امابعد!

ہمارے شیخ، مرشدالامہ، مصلح الکل، فنافی اللہ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت اقدس مولانا عبدالواحد رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ونوراللہ مرقدہ کی پوری زندگی اللہ اوررسول اللہ ﷺ کے عشق ومحبت، کتاب وسنت کی اتباع واطاعت علوم دینیہ کی نشرواشاعت اوراصلاح امت کے

لیے وقف تھی۔ سفر میں، حضر میں، مسجد میں، دفتر میں، گھر میں، عوام میں، خواص میں، خلوت میں، جلوت میں الغرض ہر حال و ہر مقام پر کتاب وسنت پر عمل اور خلقت الٰہی کی کتاب وسنت کی طرف رہنمائی دین کی نشرواشاعت اور قرآن وحدیث کی تفسیر تشریح وتوضیح آپؒ کا محبوب وحسین شغل تھا، شہرت جاہ، ریا اور دکھلاوے سے شدید نفرت اور گمنامی تواضع، انکساری سے رغبت کی وجہ سے آپؒ کے فیض ومعرفت کو عام کرنا اور مشہور کرنا آپؒ کی حیات طیبہ میں محال و ناممکن اقدام تھا۔

آپؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب زیدمجدہم وبورک فی عِلمِہم وعَملِہم استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ (جوعلم وعمل میں آپؒ کی ہوبہو تصویر اور آپؒ کی حسن تربیت کے حسین شگوفے ونمونے ہیں۔آپؒ کے شرعی وقانونی وارث وجانشین ہیں) نے 1995ء سے آپؒ کی مشروط ومحدود اجازت کے ساتھ آپؒ کے درسِ قرآن ودرسِ حدیث، جمعے کے بیانات اور اصلاحی مجالس کے مواعظ وتقاریر کو محفوظ کرنے اور مضامین کے شکل میں ماہنامہ الحماد، اور مستقل رسائل کی زینت بنانے کے کارخیر کا آغاز فرمایا۔حضرتؒ نے محتاط طریقہ سے بذات خود نظر ثانی فرمانے کے بعد شہرت سے نفرت اور ریا کے خوف سے محدود حد میں اجازت عنایت فرمائی، حضرتؒ کے وصال کے بعد مکمل اتفاق ومشاورت اور میرے شدید اصرار کے تحت حضرت مفتی صاحب زیدھم کو آپؒ کی مسند خلافت تفویض ہوئی، اس کے بعد سے بعد سے

ہر ملاقات میں حضرت مفتی صاحب پر یہ بارگراں اور یہ ذمہ داری ان کے دوش پر ڈالنے کی تاکید کرتا رہا ہوں کہ آپ نے حضرت ؒ کے علوم وفیوض کو جاری وساری رکھنا ہے اور جو سلسلہ 1995ء میں سنبھالا اور شروع کیا اسے کما حقہ حیاً ومیتاً باقی رکھنا ہے۔

سلسلے کے تمام معمولات اور حضرتؒ کی حیات کے تمام مشاغل وفیوضات کی بھاری ذمہ داری کے ساتھ آپؒ کے فیوض وعلوم کی امت میں نشر واشاعت میں پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر قدم اٹھانا ہے اور آگے بڑھتے جانا ہے۔ ہماری دعائیں، محنتیں، وسائل اور مشورے آپ کے ہمقدم ہونگے۔ان شاء اللہ تعالیٰ

انتہائی خوشی ومسرت اور حمد وشکر کا مقام ہے کہ حضرت مفتی صاحب زید فضلہم نے سلسلے کے معمولات کو کما حقہ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت اقدسؒ کے علوم وفیوض کے سلسلہ درسِ حدیث بعنوان ''مشکوٰۃ نبوت'' کے متعدد کتب ورسائل کو حتمی طباعتی مراحل میں لے آئے ہیں۔الحمدللہ! اس وقت تک سلسلہ مشکوٰۃ نبوت کی متعدد کتابچے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

اب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم انہیں مطبوعہ رسائل مجموعہ کو کتابی شکل میں ''اصلاحی دروس'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ بحمداللہ گذشتہ اصلاحی دروس کی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلد

شائع ہوچکی ہے، جو عوام وخواص کے حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں۔

پہلی جلد میں حضرت قدس سرہٗ کے درج ذیل دروس حدیث شامل ہیں۔

(۱) ایمان، زندگی کے لئے ناگزیر ضرورت

(۲) ایمان کامل کے تقاضے

(۳) رمضان المبارک کی اہمیت، آداب ومعمولات

(۴) تجلیاتِ ذکر

(۵) دُعا، دنیا وآخرت کی کامیابی کا زینہ ہے۔

دوسری جلد میں درج ذیل دروسِ حدیث ہیں۔

(۱) معاشرت زندگی کے سنہرے اصول

(۲) بدامنی اور خون ریزی اسلام کی روشنی میں

(۳) اسلام اور عدل وانصاف

(۴) دنیا کی حقیقت اور اعمال کی ضرورت

(۵) اسلام کے معاشرتی حقوق

(۶) درود شریف کے فضائل وبرکات

تیسری جلد میں درج ذیل دروسِ حدیث ہیں۔

(۱) اتباع سنت اور راہِ نجات

(۲) اتباع سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

(۳) اسلامی آدابِ زندگی

(۴) معاشرتی زندگی کے اسلامی آداب

(۵) عظمتِ قرآن اور آدابِ تلاوت

چوتھی جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱) گناہوں سے توبہ کیجئے

(۲) استغفار کے فوائد و برکات

(۳) اچھے اخلاق اپنائیے

(۴) جمعہ کی اہمیت، فضیلت آدابِ اور معمولات

(۵) تواضع وانکساری کے فوائد و برکات

پانچویں جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱) تکبر وغرور کا خوفناک انجام

(۲) تقویٰ کی برکات وثمرات

(۳) وعدہ خلافی ایک سنگین گناہ

(۴) امانت کی اہمیت اور ہماری کوتاہیاں

(۵) صدقہ کے فضائل و برکات

(۶) عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل واحکام

چھٹی جلد میں حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے

(۱) قربانی کے فضائل ومسائل

(۲) صبر کے فوائد و برکات

(۳) شکر کی اہمیت وفضیلت

(۴) نکاح کی اہمیت، فضیلت اور احکام

(۵) بیوی کے حقوق یعنی شوہر کی ذمہ داریاں

(۶) شوہر کے حقوق یعنی بیوی کی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ حضرت والا قدس اللہ سرہ کے قیمتی دروس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور اب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم بحمد اللہ اصلاحی دروس کی ساتویں جلد ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ہماری دعا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے جانشین وخلیفہ مجاز کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب کے علم وعمل اور صلاحیتوں میں ترقی نصیب فرمائے۔ آمین

اللهم وفقه لما تحب وترضىٰ من القول والفعل والعمل والنية والاخلاص.

محمد ابراہیم عفی اللہ عنہ

(حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم)
شیخ الحدیث ومہتمم
جامعہ باب الاسلام ٹھٹھہ
۱ر رجب المرجب ۱۴۴۱ھ
۲۵ر فروری ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال وتاثرات

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
(جو حضرتؒ نے اپنی زندگی میں تحریر فرمایا تھا)

اللہ جل شانہٗ کا فضل وکرم، انعام اور احسانِ عظیم ہے کہ اُس ذاتِ عالی نے بچپن سے دینی ماحول، اور ایمانی مراکز سے میرا رشتہ ناطہ جوڑا، غربت میں رکھا، غریب الوطنی میں پھینکا، تن من دَھن کی آسائشوں سے دور رہا مگر علمِ دین اور دولت ایمان سے آباد جھونپڑی نما خانقاہوں اور مراکز تعلیم سے وابستہ رکھا۔ جہاں مادّی وسائل اور آسائشیں نہ ہونے کے باوجود روحانی خوشحالی، سکون اور طمانینت کی وہ دولت میسر تھی جس کے لئے دنیا کے عظیم بادشاہ بھی ترستے اور تڑپتے چلے گئے۔ (والحمدللّٰہ علی ذالک)

دارالعلوم دیوبند سے علمی سفر طے کرتے ہوئے جب ارضِ پاک میں داخل ہوا تو صوبہ سندھ کے ایک دور افتادہ، پسماندہ، گمنام بلکہ بے نام علاقہ

ھالیجی شریف کے مقام پر قطب الاقطاب ولی کامل، جنیدِ دوران حضرت مولانا حماد اللہ ھالیجوی قدس اللہ سرّہ العزیز کی قدموں میں جگہ ملی۔ جہاں کے چشمۂ فیض سے سیرابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قابل بنادیا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی دین کی خدمت اور دینی تعلیمات کی اشاعت کے لئے وقف ہوگئی۔

الحمدللہ زندگی کے اس دورانیئے میں جامع مسجد حفیظیہ میں درسِ قرآن ودرسِ حدیث اور اصلاحی مجلسوں اور نماز جمعہ سے قبل بیان کا سلسلہ اس کے علاوہ جامعہ حمادیہ اور علاقے کی دیگر مساجد میں بھی یہ تمام سلسلے جاری رہے، جسے بعض مخلص احباب نے اسے ٹیپ کیا اور پھر ان ٹیپ شدہ تقریروں اور بیانات کو قلم بند کروایا، اور پھر جب سے جامعہ حمادیہ کا ترجمان ''ماہنامہ الحماد'' کا اجرا ہوا تقریباً دوعشروں سے ماہنامہ الحماد کے کے صفحات پر ان دروس کو مستقل طور پر درسِ قرآن کو (نور ہدایت) اور درسِ حدیث کو (مشکوٰۃ نبوت) کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے۔

اور اب ضرورت اور اسکی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے برخوردار مفتی عاصم عبداللہ سلمہ استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ ودیگر متعلقین نے ''الحماد'' کے صفحات پر شائع شدہ ان مضامین کو کتابچے کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے کئی کتابچے شائع ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں جو میری نظروں

سے بھی گزرے ہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ برخورداراور انکے معاونین نے بڑی محنت کی ہے اوران مضامین میں ذیلی عنوانات لگا کر اسکی افادیت کو بڑھادیا ہے مقصود فائدہ اور استفادہ ہے، مجھے اورشائع کنندگان کودین کی تبلیغ اورنشرواشاعت کا فائدہ ملے گا اور پڑھنے اور مستفید ہونے والوں کواپنی زندگی دین وشریعت کے مطابق ڈھالنے اوراللہ کی رضا حاصل کرنے کا عظیم ثمرہ حاصل ہوگا!

دعاہے کہ جیسا کہا ہے اورنیت کی ہے اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرمادیں اورہم سب کواپنی رضااوراخروی سرخروئی کی دولت مرحمت فرمادیں، اوراللہ تعالیٰ اسے پوری امت کیلئے نافع بنادیں اوراسے شرف قبولیت سے نوازیں۔
(آمین یارب العالمین)

وصلى الله على نبيه خاتم النبين

عبد الواحد

انتساب

اُن عظیم مشفق ومُربی ہستیوں کے نام جو تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمام سنت واطاعت، اصلاح ظاہر وباطن، بے نفسی وفنائیت، اخلاص کامل وللّٰہیت، تفویض وتوکل، عشق رسول ﷺ کے پیکرِ مجسّم اور اکابرین علماء دیوبند کے مسلک اعتدال کی زبانِ ترجمان تھے، یعنی

شیخ العرب والعجم، سیدی وسندی

حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ

اور مرشدی ومولائی ولی کامل

قطبُ الاقطاب حضرت مولانا

حمّادُ اللہ ہالیجوی

رحمهم الله رحمةً واسعةً

طلبائے دین

کا مقام و فضیلت

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرامی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

علم سیکھنے والے کے درجات کی بلندی

عَنِ الحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاَسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ.

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اور (وہ علم) اس غرض سے (حاصل کر رہا ہو) کہ وہ اس کے ذریعہ سے اسلام کو رائج کرے گا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا، (اور وہ مرتبۂ نبوت ہے)۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ علیٰ ماانعم وعلمنامالم تعلم والصلوۃ علی افضل الرسل واکرم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارک وسلّم ، امّابعد !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الأَلْبَابِ.(سورة الزمر: ۹)

صدق الله العظیم.

"(اے نبی ﷺ) آپ فرمادیجئے کیاوہ لوگ جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں برابر ہوسکتے ہیں (ہرگز نہیں) عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔"

آج کی نشست میں علم کی اہمیت فضیلت اور اسکے سیکھنے والے کا مقام ومرتبہ کے حوالہ سے کچھ گفتگو کرنی ہے مضمون طویل ہے انشاءاللہ اگلی نشست بھی اسی سے متعلق ہوگی۔

علم ایک امتیازی صفت ہے

اللہ ربّ العزت نے علم کو بڑی اہمیت دی ہے انسان کو باقی تمام مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت بھی علم وعقل کی وجہ سے ہی ہے اور انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی وہ بھی علم ہی کی وجہ سے عطا کی گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جس آدمی میں علم نہیں وہ آدمی نہیں جانور ہے اور جس گھر میں کوئی علم والا نہیں وہ گھر نہیں جانوروں کا ڈربہ ہے اور جس ملک میں علم کا رواج نہیں وہ ملک نہیں حیوانات کا جنگل ہے، کیونکہ علم وہ عظیم صفت ہے جو انسانوں کو حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ علم ہی انسانوں کو شرف انسانیت بخشتا ہے علم ہی نے انسانوں کو مسجود ملائکہ بنایا۔

علم کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایئے کہ جب سید المرسلین ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تو سب سے پہلا حکم پڑھنے، پڑھانے اور سیکھنے ،سکھانے کے بارے میں ہوا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ .خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ .اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ، لَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ،عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ.

”پڑھ (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق

کی ، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے
سے علم سکھایا (جس نے) انسان کو وہ علم دیا جسے وہ
نہیں جانتا تھا۔"

حالانکہ عرب کے حالات کے پیش نظر پہلا اعلان توحید کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ بت پرستی اور شرک عام تھا۔ پہلا اعلان رسالت کا بھی ہوسکتا تھا، کیونکہ خالق ومخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے ہی جڑ سکتا تھا، پہلا حکم قیامت کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا کیونکہ یومِ آخرت پر یقین آنے سے تمام اعمال وعقائد کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے ۔ پہلا اعلان انسانی حقوق کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا، کیونکہ وہ پامال ہورہے تھے ۔ پہلا اعلان اعلیٰ اخلاق واوصاف کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھ موصوف ہونے کی صورت میں انسان کامل انسان بن سکتا ہے، پہلا اعلان اللہ کی عبادت، شکر، صبر، جہاد اور ذکر اللہ کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔

مگر سب سے پہلا حکم پڑھنے کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خود سرکار دو عالم ﷺ کو تعلیم دی ۔ قرآن مجید میں ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کی تعلیم دی جو آپ نہیں جانتے تھے۔

علم کا موضوع بنیادی اہمیت کا حامل

علم کا موضوع بھی بڑی بنیادی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ جو شخص علم کی

فضیلت کو جان لے گا اور جسے معلوم ہوگا کہ خدائے ذوالجلال اور اس کے برگزیدہ رسول ﷺ نے علم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور مسلمان بزرگوں نے علم کے حصول اور علم کی اشاعت کی خاطر بے انداز تگ ودو کی ہے اور جسے دل سے یقین ہو جائے گا کہ علم صحیح معنوں میں طاقت ہے اور دینی اور دنیوی دونوں طرح کی ترقی، کامیابی اور سربلندی کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے، اس سے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے امکان کی حد تک علم کے حصول اور اس کی اشاعت کے لئے کوشش کرتا رہے گا۔

زندگی میں جو تھوڑا بہت تجربہ حاصل کرنے کا موقع ملا ہے، اس بناء پر خیال یہی ہے کہ جانتے بوجھتے، ارادتاً خرابیاں کرنے والے لوگوں کی تعداد کم ہی ہوتی ہے۔

اکثریت غلط راستے صرف اس لیے اختیار کرتی ہے کہ انہیں صحیح راہوں کا علم نہیں ہوتا، یا کم از کم وہ صحیح راہوں کے شعوری علم سے تہی دامن ہوتے ہیں۔ علم عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی مفہوم ہے ''جاننا''۔ دنیا میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب اسی لیے کیا جاتا ہے اور بہت سی جہالتیں اسی لئے اختیار کی جاتی ہیں کہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ کام گناہ ہیں اور یہ اعمال جہالت ہیں، اگر علم دین عام ہو جائے تو بہت سے غلط کار صرف نیکی کا علم حاصل ہو جانے کے باعث ہی غلط راہوں سے منہ موڑ کر صحیح سمت کی طرف رخ کرلیں گے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت مسلمہ میں سلف صالحین کی طرح علم کی اہمیت اور فضیلت کا احساس پیدا فرما دے۔ (آمین)

اسلامی زندگی گزارنے کیلئے علم کی ضرورت

دین اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے کچھ بنیادی عقائد کو لازم قرار دیا ہوا ہے جس میں سے کسی ایک کا انکار کرنے سے بھی انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

خدا کی ذات وصفات پر ایمان، خدا کے فرشتوں پر ایمان، خدا کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان، خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان، اور آخرت پر ایمان۔

ایسے ہی اس نے اپنے ماننے والوں کیلئے کچھ عبادات فرض قرار دے دی ہیں، جنہیں بغیر کسی شرعی عذر کے کسی صورت ترک نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً:

توحید اور رسالت کی شہادت دینا، نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، اور بیت اللہ کا حج کرنا۔

اس کے علاوہ اسلام نے اسلامی معاشرے میں رہنے والوں کے مختلف گروہوں کے درمیان حقوق وفرائض کا نظام قائم کر رکھا ہے جس سے لاپروائی اور غفلت برتنا انسان کو گنہگار اور سزا کا مستحق بنا دیتا ہے، ہر طبقے کے مخصوص حقوق ہیں۔ مثلاً:

والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق،

رشتے داروں کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق، کمزور طبقات مثلاً: غلام، خدمت گار، مزدور، یتیم، بیوہ، کے حقوق، مبتلائے تکلیف مثلاً: بیمار، مفلس، مسکین محتاج، مصیبت زدہ کے حقوق، مہمان کے حقوق، میزبان کے حقوق، قرضدار کے حقوق، قرض خواہ کے حقوق، حکمرانوں کے حقوق، رعایا کے حقوق، اسلامی برداری کے حقوق، عام انسانی برادری کے حقوق، حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق، وغیرہ۔ پھر دین اسلام نے اپنے پیروؤں کو ایک ارفع نظامِ اخلاق دیا ہے جو انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ افراط وتفریط سے محفوظ رہ کر ایک صحیح معتدل زندگی گزار سکے۔

اس کے علاوہ انسان نے زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے روزی بھی کمانا ہوتی ہے، نسل انسانی کی بقا اور عمدہ پرورش وتربیت کے لئے نکاح بھی کرنا ہوتا ہے، اسے ایک دوسرے کی زیادتی سے بچنے کے لے قانون اور عدالتوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور اسے اپنی قومی آزادی کی حفاظت کرنے اور اپنی اجتماعی ضروریات پوری کرنے کے لئے حکومت بھی قائم کرنی ہوتی ہے، اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے باعث ان تمام امور کے بارے میں اصولی ہدایات دیتا ہے، جن سے وہی لوگ لاپرواہی برت سکتے ہیں جنہیں ایک سچا اور مکمل مسلمان بننے کی خواہش نہ ہو۔

ان تمام اصول واحکام پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک صحیح اسلامی زندگی گزارنے کے لئے بہت کچھ علم حاصل کرنا پڑتا ہے اور ایک جاہل مسلمان

کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ صحیح اسلامی زندگی گزار سکے، مثال کے طور پر مندرجہ بالا امور میں سے چند ایک ہی پر نظر ڈال لیجئے اور پھر غور کیجئے کہ ان کو کما حقہ ،ادا کرنے کے لئے علم کا حصول کتنا ضروری ہے۔

مثلاً اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے اور ایک سچا موحد بننے کے لیے لازمی ہے کہ انسان کو عقیدۂ توحید پر ایمان لانے کے تمام تقاضوں سے واقفیت حاصل ہو اور وہ شرک کی مختلف اقسام کو پہچانتا ہو، ورنہ عین ممکن ہے کہ توحید پر ایمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ زندگی بھر مشرکانہ اعمال کرتا ہی چلا جائے اور اسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے ہی فرض عبادات میں سے صرف زکوٰۃ ہی کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کی ادائیگی کی صحت کے لیے اچھا خاصا علم حاصل کرنا ضروری ہے، زکوٰۃ ادا کرنے والے کو لازماً معلوم ہونا چاہیے کہ:

مال کی کس کس قسم پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، کسی شخص کا مال زکوٰۃ کس حد پر پہنچے تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، زکوٰۃ کے کس مال کی کیا شرح ہوگی، وہ کون لوگ ہیں جنہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، وہ کون سے مصارف ہیں جہاں زکوٰۃ صرف کرنا ممنوع ہے، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے کن اصول قاعدوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جب تک زکوٰۃ ادا کرنے والے کو یہ معلومات حاصل نہ ہوں، وہ اس فریضہ کو بحسن وخوبی ادا نہیں کر سکتا، مثلاً عین ممکن ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا تو کرے مگر غیر مستحق لوگوں کو دے کر یا ممنوع مصارف پر صرف کر کے اسے ضائع کردے۔

ایسے ہی اسلامی معاشرے کے مختلف طبقات میں سے ہر طبقے نے کسی دوسرے طبقے کو کچھ دینا ہوتا ہے اور کچھ اس سے لینا ہوتا ہے، جو کچھ ہم نے دوسروں کو دینا ہے، وہ ہمارے فرائض ہیں اور جو ہم نے دوسروں سے لینا ہے، وہ ہمارے حقوق ہیں، اب جب تک کسی انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ معاشرے کے جس طبقے سے تعلق رکھتا ہے اس نے دوسروں کو دینا کیا ہے اور ان سے لینا کیا ہے، وہ نہ اس قابل ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق ادا کر سکے اور نہ اس قابل ہوتا ہے کہ دوسروں سے اپنے حقوق لے سکے، اس لیے عین ممکن ہو کہ انسان دوسرے کے حقوق تلف کر کے گناہوں کے انبار سمیٹے چلا جا رہا ہے مگر دل میں اس کا پورا یقین رکھتا ہو کہ وہ تو بڑا ہی انصاف پسند شخص ہے۔

ایسے ہی روزی کمانے کے مختلف ذرائع میں سے صرف تجارت ہی پر نگاہ ڈال لیں، ایک سچے مسلمان تاجر کو لازماً معلوم ہونا چاہیے کہ تجارتی دیانت کے اسلامی اصول کیا ہیں اور اپنے سامانِ تجارت کا کتنا حصہ اسے لازماً ہر سال مستحقین تک پہنچانا ہوگا، اگر وہ ان اصولوں سے ناواقف ہے تو عین ممکن ہے کہ اس کے مال میں حرام کی آمیزش ہوتی چلی جائے اور اسے کبھی بھی پتہ نہ چلے کہ وہ تو ایک خائن اور بددیانت تاجر ہے۔

نکاح کر کے گھر بسانا اور اگر کوئی شادی کامیاب نہ ہو سکے تو اسے ختم کرنے کے قابل ہونا انسانی معاشرے کی ناگزیر ضروریات میں سے ہے، لہٰذا اسلام نے نکاح اور طلاق اور ان سے تعلق رکھنے والے امور کے

بارے میں تفصیلی ہدایات دے رکھی ہیں جن سے ایک مسلمان کو لازماً واقف ہونا چاہیے، ورنہ اس کے ایک ظالم اور غیر ذمہ دار شوہر ایک اور خائن اور نافرمان بیوی بننے کا خدشہ موجود رہے گا اور اس بات کا خطرہ بھی خلاف قیاس نہیں کہ ایک جوڑے کا نکاح ازروئے اسلام ختم ہو چکا ہو، مگر وہ جہالت کے باعث اسے قائم ہی سمجھیں اور غیر شرعی طور پر اکٹھے زندگی گزارتے رہیں۔

جہالت مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے

یہ صرف چند مثالیں ہیں انہیں پر دوسرے امور کو قیاس کیا جاسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ہونا اور پھر جاہل رہنا گویا دو متضاد باتیں ہیں اور اس حقیقت کے باوجود کہ اس وقت مسلم معاشرے کی اکثریت جہالت کے پنجے میں گرفتار ہے، یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ ایک سچے اور صحیح مسلمان کی زندگی گزارنے کے لیے علم ناگزیر ہے، اگر اس وقت ہماری اکثریت جاہل ہے تو پھر یہ بھی تو واضح ہے کہ اس وقت ہم میں سے اکثر لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں، صحیح اسلامی زندگی سے ہمارا کوئی قریبی تعلق قائم نہیں رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم کے بغیر انسان نہ خدا کی صحیح معرفت حاصل کرسکتا ہے نہ اپنی پہچان، انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، اس شرف کو قائم رکھنے کے لیے اسے علم کی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ زندگی گزارتے ہوئے ایک ارفع نصب العین کو سامنے رکھ سکے، ورنہ اس کی اور

چوپاؤں کی زندگی میں بہت کم فرق رہ جائے گا، جس طرح وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، آرام کرتے ہیں، اپنی دوسری ناگزیر ضروریات پوری کرتے ہیں اور پھر مرجاتے ہیں، اسی طرح انسان بھی اگر اپنی زندگی کا مقصد ان مادی ضروریات کی تکمیل ہی کو قرار دے لے تو پھر وہ کس بناء پر دوسری مخلوقات سے اشرف ہونے کا دعویٰ کر سکے گا۔

زندگی کے آخری لمحات تک علم کا حصول

حصول علم کے سلسلے میں ایک خاص بات یہ کہ علم حاصل کرنا عمر کے کسی خاص حصے تک مقید نہیں بلکہ جب تک زندگی ہے طلب علم جاری رکھنی چاہیے، جب اسلام آیا تو بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین عمر رسیدہ ہو چکے تھے، مگر انہوں نے اس حالت میں بھی دین کا علم حاصل کیا، صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فرمان نقل کیا گیا ہے کہ:

"سردار (یا بزرگ) بننے سے پہلے علم حاصل کرلو۔"

یہ فرمان بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"سردار (یا بزرگ) بننے کے بعد بھی علم حاصل کرو، کیونکہ رسول خدا ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بوڑھا ہونے کے بعد بھی علم حاصل کیا۔"

ایک مشہور مقولہ ہے:

اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی الْحَدِ ،

''گہوارے سے قبر تک علم کی طلب جاری رکھو۔''

جن بزرگوں نے اس مقولے پر عمل کیا انہیں زندگی میں کوئی موڑ ایسا نظر نہ آیا جب اس پر عمل کی ضرورت نہ ہو، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو علم سے بے انتہا شغف تھا۔

آپ چوٹی کے علماء میں سے تھے، مگر پھر بھی اپنے علم کو بڑھانے کے لیے کوشاں رہتے۔

ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ آخر کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے، تو فرمایا:

''موت تک انشاءاللہ!''

ایک اور موقع پر ایسے ہی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''شائد وہ کلمہ میں نے ابھی تک نہ سنا ہو جو میرے کام آنے والا ہو۔''

حضرت ابن العلاء رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ آدمی کو علم کب تک حاصل کرنا چاہیے، اس نے جواب دیا کہ:

''جب تک زندگی اس پر مہربان رہے!''

یعنی جب تک وہ زندہ رہے۔

انسان کی تین قسمیں

جامع ترمذی ابواب الزہد کی ایک حدیث میں رسول خدا ﷺ نے تین قسم کے انسانوں کا حال بیان فرمایا ہے۔

ایک وہ شخص ہے جس کے پاس مال بھی ہے اور علم بھی، چنانچہ علم ہونے کی بناء پر وہ اپنے مال کو ایسے مصارف پر صرف کرتا ہے جن پر اسے صرف ہونا چاہیے، وہ اس سے رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے مال میں اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے، اس شخص کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ بہترین مرتبہ پر ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جس کے پاس مال تو نہیں مگر علم ہے، علم ہونے کے باعث اُسے معلوم ہے کہ مال کے صحیح مصارف کیا ہیں، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اسے فلاں اور فلاں مصرف پر صرف کرتا۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ دونوں اشخاص اجر میں برابر ہیں، کیونکہ اگرچہ دوسرے شخص نے مال صرف نہیں کیا، لیکن چونکہ وہ مال کے صحیح مصارف جانتا تھا، اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ اسے انہیں مصارف پر صرف کرتا، اپنی نیت کی اس نیکی کے باعث اسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا پہلے کو۔

پھر حضور ﷺ نے ایک تیسرے شخص کا حال بھی بیان فرمایا ہے، جس کے پاس مال تو ہے مگر علم نہیں، لہٰذا وہ اپنی بے علمی کے باعث مال کے معاملے میں خدا سے نہیں ڈرتا اور اسے صحیح مصارف پر صرف نہیں کرتا، نہ اس سے رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، نہ جانتا ہے کہ اس میں خدا کا کیا حق ہے، اس تیسرے شخص کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ بدترین رتبہ پر ہے۔

یہ حدیث واضح کیے دیتی ہے کہ علم نہ ہونے کے باعث انسان اپنی مادی خوش حالی سے بھی پورا اور صحیح فائدہ حاصل نہیں کرتا، مختصر یہ کہ اسلام نے جو نظامِ حیات ہمیں عطا فرمایا ہے وہ طلب علم کا تقاضا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دین پسند اور عقلمند لوگ ہمیشہ طلب علم کی تاکید کرتے رہے ہیں۔

علم دین بارانِ رحمت کے مانند ہے

رسول خدا ﷺ، بزگان دین اور علمائے کرام نے جہاں ایک طرف حصول علم کی تاکید کی ہے وہاں دوسری طرف جہالت کی مذمت میں بھی بہت کچھ فرمایا ہے، حضور ﷺ نے اسے ایک مثال سے سمجھایا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو ہدایت اور علم مجھے دے کر بھیجا گیا ہے، اس کی مثال زوردار بارش کی سی ہے کہ وہ کسی زمین پر جا برسی، اس زمین میں ایک عمدہ حصہ تھا اس نے پانی اپنے اندر جذب کرلیا، پھر گھاس اور ہرا سبزہ خوب اگایا اور اس زمین میں سخت حصے بھی تھے، انہوں نے پانی کو روک لیا (یعنی ان نے پانی کو جذب کرلیا)، پس (اُس رکے ہوئے پانی) سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نفع پہنچایا، انہوں نے خود پانی پیا اور (جانوروں) کو پلایا اور کھیتی باڑی کی اور یہ بارش زمین کے ایک اور حصے میں بھی برسی جو صاف چٹیل میدان تھا کہ نہ اس نے پانی روکا اور نہ گھاس اُگائی (پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ) یہ پہلی مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور جو (ہدایت) خدا نے میرے

ذریعے بھیجی تھی اس نے اسے نفع دیا، اس نے خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا، اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جس نے خود تو فائدہ نہیں اٹھایا مگر دوسرے لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا اور (آخری) مثال اس شخص کی ہے جس نے اس (علم دین) کی طرف اپنے سر کو بھی نہ اٹھایا اور نہ اس ہدایت کو جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا، قبول کیا۔ (بخاری)

فائدہ

اس حدیث میں حضور ﷺ نے علم دین کی طرف سے غفلت اور لاپروائی برتنے والے شخص کو اس صاف چٹیل زمین سے تشبیہ دی ہے جس پر بارش برستی ہے، مگر وہ اس بارش سے نہ اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ حاصل کرتی ہے اور نہ اس کے ذریعے کسی دوسرے کو کوئی فائدہ پہنچاتی ہے، مراد یہ ہے کہ علم دین اس بارانِ رحمت کی مانند ہے جس میں انسانوں کے لیے فائدے ہی فائدے ہیں، مگر جو انسان اسے حاصل نہیں کرتا اور اس سے جاہل رہتا ہے، وہ خود بھی ان فوائد سے محروم رہتا ہے اور کسی اور کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اہل علم کے نہ ہونے کا نقصان

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے بندوں (کے سینوں) سے کھینچ لے بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھا لے

گا (کہ جب عالم ختم ہو جائیں گے تو علم بھی ختم ہو جائے گا) یہاں تک کہ جب کوئی علم والا نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پھر ان (جاہلوں) سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، پھر (خود ہی) گمراہ ہوں گے اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کریں گے۔ (بخاری)

فائدہ

غرضیکہ اسلام نے علم کو زیادہ فضیلت عطا کی ہے اور ایک صحیح اور سچا مسلمان بننے کے سلسلے میں علم کو خاص اہمیت حاصل ہے، لہٰذا اصلحائے امت نے حصول علم کو ہمیشہ عبادت کا درجہ دیے رکھا اور اس معاملے میں ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کی موجودہ علمی بے حسی دیکھتے ہوئے وہ تعجب انگیز نظر آتا ہے، چاروں طرف پھیلی ہوئی جہالت کی وجہ یہی ہے کہ ہماری بے حسی کی وجہ سے علماء اٹھتے جارہے ہیں لوگوں نے جاہلوں کو اپنا رہنما بنالیا ہے ،نتیجہ سامنے ہے۔

علم دین کی اہمیت حضور ﷺ کی نظر میں

حضور ﷺ نے علم کی اہمیت وفضیلت کے حوالے سے تمام مسلمانوں پر حصولِ علم کو فرض قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ!

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے“۔

یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ بقدر ضرورت اسلام کا علم حاصل کرنے

کی کوشش کرے۔

آپ ﷺ حصول علم کو فرض قرار دینے کے ساتھ علم کے پھیلانے کیلئے سرگرم رہتے تھے آپ ﷺ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ کسی ذریعہ پورے معاشرہ میں علم پھیل جائے، علم کی اشاعت کے سلسلے میں آپ ﷺ کی کوششوں کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر کے وہ کافر قیدی جو آزاد ہونے کیلئے فدیہ دینے سے قاصر تھے تو فدیہ کے بدلے میں حضور ﷺ نے انہیں دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی شرط پر قید سے آزاد کرنیکا اعلان فرمایا۔

حضور ﷺ نے علم دین کو سب سے اہم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو خیر سے نوازنا چاہتے ہیں تو اسے دین کا علم وفہم عطا فرماتے ہیں۔

علم دین ہی انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے علم دین کے اندر ہی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی معرفت و شریعت کے خزانے موجود ہیں دین کے اندر معاشی و معاشرتی مسائل کا حل بھی موجود ہے۔

آنحضرت ﷺ کا دنیائے انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ آپ نے علم پر اجارہ داری کا خاتمہ کیا اور علم کو پانی، ہوا، اور روشنی کی طرح عام کر دیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے علم کو عام کرنے کے لئے فرمایا!

تعلموا العلم وعلموه الناس ،تعلموا الفرائض وعلموه

الناس ،تعلموا القرآن و علموه الناس .

''علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔''

نیز ارشاد فرمایا!

الکلمة الحکمة ضالة المؤمن ،فحیث وجدها فهو احق بها .

''حکمت کی بات تو مومن کی گمشدہ متاع ہے وہ اسے جہاں پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔''

علم بہر حال جہالت سے بہتر ہے

کسی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا مجھے علم حاصل کرنے کا شوق تو بہت ہے مگر اس لئے حاصل نہیں کرتا کہ پتہ نہیں اس پر عمل کرسکوں گا یا نہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، علم ہر حال میں جہالت سے بہتر ہے، انہوں نے مزید فرمایا کہ آدمی حشر میں اسی حالت پر اٹھے گا جس پر مرا ہے ،موت کے وقت عالم تھا تو عالم جاہل تھا تو جاہل اٹھے گا۔

اتفاق سے سائل کی ملاقات حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوگئی تو ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے فرمایا، آدمی کیلئے ترک علم سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، علم دین سے بہتر کوئی

چیز نہیں ،ایک فقیہ (عالم) شیطان پر ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ بھاری ہے، ہر عمارت کا ستون ہوتا ہے، دین کا ستون علم ہے۔

علم افضل ہے کہ مال؟ ایک واقعہ پڑھیئے

بصرہ کے علماء میں اختلاف ہوا، بعض کا خیال تھا کہ مال افضل ہے اور بعض علم کو افضل قرار دے رہے تھے، کافی بحث کے باوجود کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تو فریقین نے ایک شخص کو نمائندہ بنا کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بھیجا، قاصد نے جا کر صورت حال بتائی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا علم مال سے افضل ہے، قاصد نے عرض کیا، اگر وہ لوگ دلیل مانگنے لگے تو میں کیا کہوں گا فرمایا، ایک نہیں بہت دلیلیں دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً

ا۔ علم، انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے اور مال، فرعون وقارون وغیرہ جیسے لوگوں کی میراث۔

۲۔ علم تجھے بناتا ہے اور مال کو تو کماتا ہے۔

۳۔ علم (دین) صرف محبوب بندوں کو ملتا ہے اور مال محبوب و مبغوض دونوں کو بلکہ مبغوض بندوں کو زیادہ ملتا ہے۔

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ. (سورة الزخرف آیت :۳۳)

’’اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں ایک دین
پر تو ہم کہہ دیتے ان لوگوں کو جو منکر ہیں رحمٰن کے ان کے
گھروں کی چھتوں کو چاندی کی اور سیڑھیاں بھی جن
پر وہ چڑھتے ہیں‘‘

۴۔ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور مال کم بلکہ ختم ہو جاتا ہے۔

۵۔ لوگ صاحب مال کو مرنے کے بعد بھول جاتے ہیں جب کہ عالم مرنے کے بعد بھی (اپنی علمی خدمات کے اعتبار سے) زندہ رہتا ہے۔

۶۔ مال سے متعلق قیامت میں سوال ہوگا، کس طرح کمایا کہاں خرچ کیا؟ اور عالم کا ہر علمی بات پر جنت میں درجہ بلند ہوتا ہے۔

علم جنت کا راستہ اور انبیاء کی میراث ہے

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ
رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ
طَرِیْقًا یَطْلُبُ بِہٖ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِنْ
طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًا
لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ یَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَنْ فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ
الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ
لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ
الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا

وَاِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ.

(رواه الترمذی)

"حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ (دین کا) علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا اور (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) اللہ کے فرشتے طالبانِ علم کے لئے اظہار رضا (اور اکرام واحترام) کے طور پر اپنے بازو جھکا دیتے ہیں، اور (فرمایا کہ) علم دین کے حامل کے لئے آسمان وزمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی استدعا کرتی ہیں، یہاں تک کہ دریا کے پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی......اور (آپ ﷺ نے فرمایا) عبادت گذاروں کے مقابلہ میں حاملین علم کو ایسی برتری حاصل ہے جیسی کہ چودھویں رات کے چاند کو آسمان کے باقی ستاروں پر اور (یہ بھی فرمایا کہ) علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء علیہم السلام نے دیناروں اور درہموں کا ترکہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ انہوں نے اپنے ترکے اور ورثے میں صرف علم چھوڑا ہے تو جس نے اس کو حاصل کرلیا، اس نے بہت بڑی کامیابی اور خوش بختی حاصل کرلی۔"

فائدہ

فی الواقع انبیاء علیہم السلام کی میراث ان کا لایا ہوا وہ علم ہی ہے، جو بندوں کی ہدایت کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہے۔

طبرانی نے معجم اوسط میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار کی طرف سے گزرے، لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے تم یہاں ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہورہی ہے، لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آکر کہا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں بٹ رہا۔ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ قرآن کی تلاوت کررہے ہیں، کچھ لوگ حلال وحرام کی یعنی شرعی احکام ومسائل کی باتیں کررہے ہیں......

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث اور آپ ﷺ کا ترکہ ہے۔"

دین کا علم بڑی دولت اور انعام خداوندی ہے

وعن معاوية رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقه في الدين وانما انا قاسم والله يعطي (متفق عليه)

"حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کیلئے اللہ تعالیٰ
بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے
ہیں، اور میں (علم کو) تقسیم کرنے والا ہوں۔ عطا
کرنے والا تو خدا ہی ہے۔''

فائدہ

یفقهه فی الدین:

اسرار احکام کے علم کا نام فقہ ہے۔ لہٰذا فقاہت اس ملکہ اور سمجھ بوجھ کا نام ہوا جس کے ذریعے سے انسان غیر حاصل معلومات کا استخراج کر سکتا ہے۔ یہ نعمت عظیمہ ہے۔ **ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء.**

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعارف فقہاء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم عام ہے۔

وانما انا قاسم:

یعنی وحی کے علوم کا میں قاسم ہوں اور میں علوم کو تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے سمجھنے کا فہم دیتا ہے۔ اس حدیث کا تعلق علوم نبوت کی تقسیم سے ہے، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو محدثین کتاب العلم میں لاتے ہیں، اور اسکا ذکر کرتے ہیں۔

والله یعطی:

کا مطلب یہ ہے کہ پھر اللہ پاک انسانوں کو درجہ بدرجہ فہم اور ادراک

بھی عطا کرتا ہے۔تو کوئی اعلیٰ درجہ کا ذہین ہوتا ہے کوئی متوسط درجہ کا ہوتا ہے اور کوئی ادنیٰ درجے کا ہوتا ہے۔

تین چیزیں صدقہ جاریہ ہیں

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَامَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ أَوْعِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ أَوْوَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْالَهٗ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہوجاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ (۱) صدقۂ جاریہ، (۲) علم جس سے نفع حاصل کیا جائے، (۳) صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہے۔''

فائدہ

الا من ثلاثة :

دنیا دار العمل ہے، اور آخرت دار الجزاء ہے، انسان جب تک دنیا میں زندگی گزارتا ہے تو اس کا اچھا اور برا عمل جاری رہتا ہے، لیکن جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، ہاں تین قسم کے

اعمال ایسے ہیں کہ انسان کے مرجانے کے بعد بھی ان اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اول: صدقہ جاریہ

یعنی کہ کوئی شخص مثلاً ایک زمین وقف کرتا ہے یا کوئی کنواں یا تالاب تیار کرتا ہے اور وقف کرتا ہے۔ اب مرنے کے بعد ان چیزوں سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس کا ثواب مرحوم کو پہنچتا ہے۔

دوم: علم نافع

یعنی ایک عالم باعمل کا انتقال ہو گیا زندگی میں وہ مخلوقِ خدا کو علم دین سے فائدہ پہنچاتا رہا اور ثواب کماتا رہا جب وفات ہوئی تو پیچھے علمی ذخیرہ چھوڑ گیا یا اپنی تصنیفات سے یا تقریرات وتحریرات سے اور یا قابل قدر شاگردوں کے ذریعے سے یا کتب دینیہ کے وقف کر دینے سے اور یا اپنی اولاد کو علم پڑھا کر علم نافع کا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑ دینے سے جس کا فائدہ اور ثواب وفات کے بعد بھی اس کو ملتا رہے گا۔

سوم: اولادِ صالح

یعنی کوئی شخص خود مر جاتا ہے اور اپنے پیچھے صالح اور نیک اولاد چھوڑ جاتا ہے وہ اپنے مرحوم والدین کے لئے دعائیں کرتے ہیں سبق پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں، صدقات دیتے ہیں، یہ سب چیزیں مرنے کے بعد

مردے کے لئے باعث ثواب ہیں۔ یہاں حدیث میں یدعوالہ کے الفاظ ہیں بعض علماء کا کہنا ہے کہ نیک اولاد کی نیکی میں والدین کا حصہ ہے، خواہ وہ دعا کرے یا نہ کرے۔

علم وقار اور رُتبہ میں اضافہ کرتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا۔(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشادفرمایا: ”انسانوں کی اسی طرح کانیں ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کان ہوتی ہے۔ جو لوگ ایامِ جاہلیت میں بہتر تھے، وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہیں۔ اگر وہ فقاہت حاصل کریں“۔

فائدہ

الناس معادن:

یہ معدن کی جمع ہے کان کو کہتے ہیں، یعنی جس طرح زمین کی کان میں سونا ہوتا ہے چاندی ہوتی ہے تانبہ لوہا زمرد اور جواہر وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح انسان بھی اپنے مکارمِ اخلاق سے متفاوت ہوتے ہیں۔ انسان کے

اچھے اخلاق شجاعت مروت سخاوت علم وحیاء اور ذکاوت وذہانت وغیرہ ہیں۔

جس طرح کانوں میں دھاتوں اور سونے چاندی کے خزانوں میں اختلاف ہوتا ہے اسی طرح انسان بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کانوں میں کہیں سونا چاندی زیادہ اور کہیں کم کہیں اعلیٰ کہیں ادنیٰ اسی طرح انسان بھی اپنی خوبیوں میں اعلیٰ اور ادنیٰ ہوتے ہیں۔

فخیارھم :

یعنی اسلام قبول کرنے سے نسبی برتری کم یا ختم نہیں ہوگی۔ بلکہ جاہلیت میں جو اس کی نسبی خاندانی برتری اور شرافت تھی، اسلام قبول کر کے اگر فقاہت حاصل کرے اور عالم بن جائے تو وہ برتری اور بڑھ جائے گی۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ

الاسلام یزید الشریف شرفًا .

''اسلام تو انسانی شرافت کو بڑھاتا ہے۔''

اذافقھو :

ہاں یہ فضیلت اور برتری اس وقت ہے جبکہ اسلام میں فقاہت حاصل کرے اگر کسی اعلیٰ خاندان کے آدمی نے اسلام قبول کرنے کے بعد علم دین اور فقاہت حاصل نہیں کی اور دوسرے ادنیٰ درجے کے انسان نے اسلام میں آ کر فقہ کا علم حاصل کیا تو اس اعلیٰ خاندان والے سے وہ ادنیٰ خاندان والا برتر ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط فقاہت ہے۔

اس حدیث میں سونے چاندی سے انسان کی خوبیوں کو تشبیہ دی گئی

ہے۔ جس سے اشارہ ملتا ہے کہ جس طرح ان مستور خزانوں کو نکالنے کے لئے محنت کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح انسان کو اپنی خوبیوں کو اجاگر کرنے میں محنت اٹھانا پڑے گی، نیز سونا چاندی آگ میں پگھل کر محنت برداشت کر کے زیور کے قابل ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو علمی کمالات میں محنت کر کے اپنی خوبیوں کو ظاہر کرنا پڑے گا۔ تب جا کر علم وقار اور رتبہ میں اضافہ کریگا۔

علم سیکھنے اور سکھانے والوں کے لئے ہر چیز دعا گو ہے

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ وَاَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّی النَّمْلَۃِ فِیْ جُحْرِھَا وَحَتَّی الْحُوْتِ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ۔

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین میں رہنے والی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور (پانی میں رہنے والی) مچھلیاں بھی اس بندے کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کی اور دین کی تعلیم دیتا ہے۔“

فائدہ

متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ علم کے سیکھنے اور سکھانے والے کے اعزاز اور مقام و مرتبے کے پیش نظر ہر چیز اس کے حق میں دعا گو رہتی ہے کیونکہ علم کے ذریعے سے ہر چیز کے حقوق کا تعین ہوتا ہے اور مخلوق خدا کو ان کے حقوق فرائض منصبی میں شامل کیجاتی ہے۔ جس کی بناء پر ہر چیز ان کے لئے دعاء گو رہتی ہے۔

علم سیکھنے والوں کی انتہائی فضیلت

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَائَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاَسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: '' جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اور (وہ علم) اس غرض سے (حاصل کر رہا ہو) کہ وہ اس کے ذریعہ سے اسلام کو رائج کرے گا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا''، (اور وہ مرتبۂ نبوت ہے)۔''

فائدہ

جنت میں ۱۰۰ درجے ہیں، جو انبیائے کرام کو ملیں گے اور جو انبیائے کرام کے نائبین علماء ہیں ان کو ۹۹ درجے ملیں گے۔ اس وجہ سے ان کے اور انبیائے کرام کے درمیان ایک درجے کا فرق بتایا گیا ہے اور یہ درجہ نبوت کا ہے۔ کہ علم دین کے احیاء و اشاعت کے لئے جو علم سیکھنے اور سکھانے والا محنت کرتے کرتے مرجاتا ہے تو نبوت کے علاوہ تمام درجے اس کو ملیں گے۔

مجالس علم سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله تعالیٰ عنهما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـه صلی الله علیه وسلم مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلاَهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَأَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ أَمَّا هٰؤُلاَءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَآءَ مَنَعَهُمْ وَأَمَّا هٰؤُلاَءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ أَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا، جو مسجد نبوی میں منعقد تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "دونوں بھلائی پر ہیں

لیکن ان میں سے ایک (عبادت) دوسرے سے بہتر ہے۔"

ایک جماعت عبادت میں مصروف ہے، خدا سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے (یعنی حصول مقصد کے لئے خدا کی طرف سے امیدوار ہے) لہٰذا اگر خدا چاہے تو انہیں دے اور چاہے نہ دے۔ اور دوسری جماعت علم حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بہتر ہیں اور میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں' اور پھر آپ ﷺ خود بھی ان میں بیٹھ گئے۔

فائدہ

فہم افضل :

اس سے ان حضرات کی ترغیب مقصود ہے ورنہ خیر و بھلائی پر تو دونوں ہی ہیں۔ مگر مجلس علم کا فائدہ نفع بخش اور متعدی ہے۔ اس وجہ سے یہ افضل ہے۔ یہاں مجلس عبادت و عابدین کی فضیلت کی نفی مقصود نہیں۔

اگر کوئی شخص متقی و پرہیز گار ہے لیکن فاسقوں اور فاجروں کے پاس اٹھتا بیٹھتا اور انہی سے تعلقات رکھتا ہے تو اس کے لئے خطرہ ہے کہ بری صحبت کے اثر سے ساری نیکیاں برباد ہو جائیں اور انہی فساق و فجار کے ساتھ اس کا حشر ہو، اسی طرح اگر کوئی شخص برا اور گناہ گار ہے لیکن علماء اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے والا اور ان سے محبت رکھنے والا ہے تو امید کہ ان کی برکت سے یہ بھی نیک بن جائے اور انہی بزرگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

علم ذریعہ مغفرت ہے

حدیث میں ہے:

العلماء ورثة الانبياء.

''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔''

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا: جب میں درگاہ رب العزت میں حاضر ہوا مجھ سے فرمایا گیا کہ کیا مانگتے ہو میں نے عرض کیا:

يارب اغفرلي.

''اے میرے رب مجھے معاف کردے۔''

ارشاد ہوا کہ اے محمد اگر ہمیں تم کو عذاب دینا ہوتا تو تم کو یہ علم عطا نہ کرتے۔ تم کو ہم نے اپنا علم اسی لیے عطا کیا تھا کہ ہم تم کو بخشنا چاہتے تھے۔

اس سے بعض حضرات نے استنباط کیا ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے، بجز علماء کے کیونکہ ارشاد ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين.

اب میری سمجھ میں آگیا کہ کتنی بڑی ضرورت اور کیسی فضیلت ہے علم دین کی کہ خدا تعالیٰ بغیر اس کے خوش نہیں ہو سکتے رضاء حق علم دین حاصل کرنے پر موقوف ہے۔

اعضاء کی تقسیم تین طرح

انسان کے جسم میں مختلف اعضاء ہیں ان اعضاء کی تقسیم تین طرح سے ہے۔

۱۔ کچھ اعضائے علم ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے جیسے آنکھ، کان، دماغ یہ سب ذرائع علم ہیں۔

۲۔ کچھ اعضائے عمل ہوتے ہیں جیسے ہاتھ، پاؤں۔ ہاتھ اور پاؤں نے دماغ کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ کچھ اعضائے مال ہوتے ہیں یعنی وہ کچھ چیزوں کے خزینے ہوتے ہیں جیسے انسان کا دل، پھیپھڑے اور معدہ وغیرہ۔

اللہ رب العزت کی تقسیم دیکھئے کہ ہاتھ اور پاؤں جن کو مزدور قسم کے اعضاء کہا جاسکتا ہے ان کو سب سے نیچے رکھا۔ جو اعضائے مال تھے ان کو درمیان میں رکھا اور اعضائے علم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اوپر رکھا۔ یعنی انسان کے جسم میں اہل علم کی بستی سب سے اوپر بسائی گئی پھر اہل مال کی اور اس کے بعد اہل محنت کی بستی بسائی گئی۔ گویا دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اعضائے علم کو شرافت بخشی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ ذرائع جو علم حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شرافت بخش رہے ہیں تو جو انسان خود عالم بن جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو کیسی شرافت بخشیں گے؟

دینی مدارس کے طلباء مہمانانِ رسول اور قابلِ عزت ہیں

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا یَاْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِھِمْ خَیْرًا. (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ تمہارے یعنی صحابہ کے تابع ہیں اور بہت سے لوگ علم دین سمجھنے کے لئے اطرافِ عالم سے تمہارے پاس آئیں گے۔ لہٰذا جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو''۔

فائدہ

ان الناس لکم تبع :

یعنی لوگ دین میں تمہارے تابع ہیں۔ تم لوگ اپنے آنے والے لوگوں کے لئے متبوع ہو، وہ تمہارے نقش قدم پر چلیں گے اور تمہارے زمانے میں تمہارے پاس آکر وہ تم سے علم سیکھیں گے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ صحابہ کرامؓ آنے والی امت کے لئے معیارِ حق ہیں۔

فاستوصوا :

اس جملے کا ایک مطلب یہ ہے کہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں تم ان کے بارے میں میری وصیت قبول کرلو اور ان کے ساتھ بھلائی کرو، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جب تمہارے سامنے آئیں تو ان کو خیر و بھلائی کی

وصیت کرتے جاؤ اس میں کوتاہی نہ کرو، ان کی اچھی تربیت کرو۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دینی مدارس کے طلباء حضور اکرم ﷺ کے مہمان ہیں، لہٰذا ان کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے، الحمدللہ حدیث کا یہ نقشہ دینی مدارس میں آج بھی موجود ہے۔

طالبِ علم اللہ تعالیٰ کی راہ میں رہتا ہے

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلا تو وہ جب تک (گھر واپس نہ آجائے) خدا کی راہ میں ہے۔"

فائدہ

فھو فی سبیل اللہ :

یعنی جب تک یہ طالب علم سفرِ علم سے واپس گھر نہیں لوٹتا یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے۔ فی سبیل اللہ کی تشریح و تفصیل میں یہاں اتنی بات سمجھ لیں کہ فی سبیل اللہ سے خاص جہاد کا راستہ مراد ہے۔ اس راستے میں ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو سے سات لاکھ تک بڑھ جاتا ہے۔

طالب علم چونکہ سفرِ علم میں بہت بڑی مشقتیں اٹھاتا ہے اس لئے اس کو بھی مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے یہ مطلب نہیں کہ طالب علم مجاہد فی سبیل اللہ بن گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی مشقتوں اور محنتوں کی وجہ سے اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے بعض فقہاء نے مصرف زکوٰۃ ''فی سبیل اللہ'' میں مجاہدین کے ساتھ طلباء علم دین کو بھی داخل مانا ہے۔

طلبِ علم سے سابقہ گناہ مٹ جاتے ہیں

عَنْ سَخْبَرَةَ الْاَزْدِیِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ کَانَ کَفَّارَۃَ لِمَا مَضیٰ. (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

''اور حضرت سخبرِ الازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم طلب کرتا ہے تو وہ اس کے گزرے ہوئے (صغیرہ) گناہوں کے لئے کفارہ ہوجاتا ہے۔''

فائدہ

کان کفارۃ :

اگر اس نیک عمل کے ساتھ اس شخص نے توبہ بھی کی تو اس کے چھوٹے بڑے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے اور اگر توبہ نہ کی تو چھوٹے گناہ طلب علم کی برکتوں سے معاف ہوجائیں گے اور بڑے گناہ کمزور پڑجائیں گے۔

مؤمن کبھی علم کی دولت سے سیر نہیں ہوتا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم لَنْ یَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ یَسْمَعُهٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

''حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن بھلائی (یعنی علم) سے سیر نہیں ہوتا وہ اس کو سنتا (یعنی حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔''

ناکام طالبِ علم بھی کامیاب ہے

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ اَدْرَکَهٗ کَانَ لَهٗ کِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَّمْ یُدْرِکْهُ کَانَ لَهٗ کِفْلٌ مِنَ الْاَجْرِ. (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

''حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم کا طالب ہو اور اسے علم حاصل بھی ہوگیا تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور اگر اسے علم حاصل نہ ہوا تو اس کو ایک حصہ ثواب ملے گا۔''

فائدہ

کفلان :

دو ثواب اس طرح ملیں گے کہ ایک ثواب طالب علم کی محنت و مشقت پر ملے گا اور دوسرا ثواب حصولِ علم پر ملے گا۔ کیونکہ حصول علم سے اشاعت علم کا راستہ کھلے گا اور علم پر عمل کرنے کا بھی موقع ملے گا۔ لہٰذا دوہرا ثواب ملے گا اور اگر محنت و مشقت کے باوجود علم حاصل نہیں ہوا تو ایک ثواب ضرور ملے گا۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ علم دین کا طالب علم ناکام اور فیل نہیں ہوتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح نیت سے علم میں لگا ہوا ہو وہ ہر حالت میں کامیاب ہے۔

علم مرنے والوں کیلئے صدقہ جاریہ ہے

عَنْ أَبِی هُرَیْرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِہٖ وَحَسَنَاتِہٖ بَعْدَ مَوْتِہٖ عِلْمًا عَلِمَہٗ وَنَشَرَہٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَکَہٗ أَوْمُصْحَفًا وَرَّثَہٗ أَوْمَسْجِدًا بَنَاہُ أَوْبَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاہُ أَوْ نَھْرًا أَجْرَاہُ أَوْصَدَقَۃً أَخْرَجَھَا مِنْ مَالِہٖ فِی صِحَّتِہٖ وَحَیَاتِہٖ تَلْحَقُہٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِہٖ. (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو

عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا مرنے کے بعد ثواب پہنچتا ہے اس میں سے ایک تو علم ہے جس کو اس نے سیکھا اور رواج دیا تھا، دوسری وہ نیک اولاد ہے جو پیچھے چھوڑے، یا قرآن پاک جو وراثت میں چھوڑ گیا یا مسجد تعمیر کی، یا مسافر خانہ تعمیر کیا، یا پانی کی نہر جاری کی، یا صدقہ جاریہ اپنے ذاتی مال سے اپنی زندگی میں حالت صحت میں نکالا مرنے کے بعد اس کا اجر و ثواب اسے ملتا رہے گا''

طالبِ علم کیلئے جنت کا راستہ آسان بنا دیا جاتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَوْحىٰ اِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ أَثَبْتُهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِيْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِيْ عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ اَلْوَرَعُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ: اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی (خفی) بھیجی ہے کہ جو طلب علم کے لئے راستہ اختیار

کرے تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کر دوں گا اور
جس شخص کی میں نے دونوں آنکھیں چھین لی ہوں (یعنی کوئی
شخص نابینا ہو گیا ہو تو اس دنیاوی نعمت سے محرومی اور اس پر
صبر و شکر کی بناء پر) میں اس کا بدلہ اسے جنت میں دوں گا۔
اور علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور
دین کی جڑ پرہیزگاری ہے۔"

فائدہ

سلبت کریمتیه :

سلب چھیننے کے معنی میں ہے۔

کریمتیه :

دونوں آنکھوں کو کہتے ہیں مراد آنکھوں کا نور چلا جانا ہے، جس کا نور اللہ تعالیٰ واپس لے لیں اور وہ اس پر صابر رہے تو اس کیلئے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے یہ اللہ کی طرف سے دنیوی تکلیف کا بدل ہوگا۔

وفضل :

اس سے مراد علم میں اضافہ اور زیادتی ہونا ہے، یعنی علمی اضافہ عبادت کے اضافہ سے بہتر ہے۔

تعلیم قرآن کی فضیلت

حضور ﷺ نے تعلیم و تعلم قرآن کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

خیر کم من تعلم القرآن و علمه .

''تم میں بہتر اور افضل وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی مشغولی بہت بڑی طاعت ہے اور جو لوگ اس کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں وہ سب سے بہتر ہیں۔

حاملِ قرآن کی اہمیت اور عوامی غلطی

لوگ جن کو اہل اللہ سمجھتے ہیں انہی کی قدر کرتے ہیں، چنانچہ درویشوں کی بہت قدر ہے کیونکہ ان کو اللہ والا سمجھا جاتا ہے۔ ان قرآن والوں کو اللہ والا ہی نہیں سمجھتے یہ بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ قرآن کا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہے کہ اتنا تعلق کسی چیز کو خدا تعالیٰ سے نہیں۔ ہر چیز کا تعلق خدا سے بواسطہ ہے اور قرآن کا تعلق بلا واسطہ ہے کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے اور کلام کو متکلم سے بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے۔

حضور ﷺ اس کلام کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کسی چیز کا اتنا ادب نہ کرتے تھے۔ مگر اس پر بھی ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کر کے آئے اس کی تو تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور حاجی بننے کو بڑی بات سمجھتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم وغیرہ میں مشغول ہیں ان کی عظمت حاجی کے برابر بھی نہیں کرتے، اسی طرح جو لڑکا حفظِ قرآن سے فارغ ہو اس کو حج کرنے والے کے برابر نہیں سمجھتے۔ حالانکہ قرآن کا درجہ

بیت اللہ سے یقیناً بڑھا ہوا ہے۔ بیت اللہ جس کے اشتیاق میں ہم ہمیشہ رہتے ہیں اس سے بھی افضل چیز ہمارے گھر میں ہر وقت رہتی ہے مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس نعمت کی قدر نہیں لوگوں کے ذہنوں میں قرآن کا درجہ اور مقام بھی نہیں آیا ہے۔

سب سے پہلے بچوں کو قرآن پاک پڑھانا چاہیے

سب سے اول مسلمان کے بچہ کو کم عمری میں قرآن پڑھانا چاہیے۔ اور بعض لوگ بڑی عمر کے بھروسہ پر کہ یہ خود پڑھ لے گا نہیں پڑھاتے تو مشاہدہ ہے کہ زیادہ عمر ہو جانے کے بعد نہ خیال میں وہ اجتماع (یکسوئی) رہتا ہے نہ اس قدر وقت ملتا ہے نہ وہ سامان بہم پہنچتے ہیں، فکر معاش الگ ستاتی ہے، اہل وعیال کا جھگڑا الگ چلتا ہے، خیالات میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اتنے موانع کے بعد کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

انگریزی تعلیم سے پہلے دینی تعلیم ضروری ہے

ضروریات کی تعلیم ہونی چاہیے خواہ اردو میں ہو یا عربی میں مگر انگریزی سے قبل ہو کیونکہ پائیدار اثر نقشِ اول کا ہوتا ہے، یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آنکھ کھولتے ہی انگریزی میں ان کو لگا دیا جائے تو اول انہیں قرآن شریف پڑھاؤ اگر پورا نہ ہو تو دس پارے ہی سہی اور اس کے ساتھ ہی روزانہ تلاوت کا بھی اہتمام رکھو اور اس کے بعد کچھ رسالے مسائل دین کے

اگرچہ اردو ہی میں ہوں، ان کو کسی عالم سے پڑھوا و لیکن اس کے ساتھ ہی اگر دین کے خلاف کوئی بات پیدا ہو تو فوراً تنبیہ کرو اگر باز نہ آئے تو انگریزی چھڑا دو۔ (التبلیغ ج۱)

حفّاظ و قراء کی فضیلت

حافظ و قاری حق تعالیٰ کے یہاں بہت محبوب و معزز ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے کلام کے پڑھنے والے اور اس کے محافظ ہیں پھر جس شخص کے ساتھ حق تعالیٰ کو محبت ہو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا۔ ایک دنیا کا حاکم اگر کسی سے بات کر لیتا ہے تو اس کا دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے اور دیکھنے والوں کی نظر میں اس کی عظمت ہو جاتی ہے، کہتے ہیں یہ شخص حاکم کا منہ لگا ہوا ہے۔ حالانکہ دنیا کیا اور اس کی حکومت ہی کیا۔ خدا تعالیٰ کی شان تو بہت ارفع ہے، سو جس شخص کی خدا تعالیٰ عظمت کریں اس کی عزت کا کیا ٹھکانہ؟ اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حفظ قرآن کتنی بڑی دولت ہے، اسی طرح قرأت گو حفظ سے نہ ہو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔

حفظ قرآن کی بڑی فضیلت ہے قیامت میں حافظ کی شفاعت سے ایک بڑی جماعت کی بخشش ہوگی اور اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سے آفتاب بھی ماند ہو جائے گا اس سے اندازہ کر لو کہ خود حافظ کی کیا قدر و منزلت ہوگی اس دولت کو ضرور حاصل کرنا چاہیے جن کے

دو چار لڑکے ہوں وہ ان میں سے ایک کو حافظ بھی ضرور بنائے۔ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے کو حکم ہوگا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے چلے جاؤ۔ جہاں تمہارا قرآن رک جائے وہیں تم رک جاؤ وہی تمہارا جنت میں درجہ ہے، مگر تعلیم یافتہ لوگوں کو اسکول کے درجوں کی ضرورت ہے، جنت کے درجوں کی کیا ضرورت؟ اس لیے قرآن پڑھنے کو بیکار سمجھتے ہیں۔ (التبلیغ ج ۱)

میدان حشر میں قرآن کی مدد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم ﷺ نے بار بار ہم کو قرآن سیکھنے کی ترغیب دی اور قرآن کی فضیلت بیان کی۔ ایک مرتبہ فرمایا، میدان حشر میں (جبکہ ہر انسان کسی مددگار کا انتہائی خواہش مند ہوگا) نہایت حسین وجمیل شکل میں قرآن اپنے پڑھنے والے کے پاس آ کر اس طرح مخاطب ہوگا۔

قرآن: کہے گا کیا تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟

حامل قرآن: نہیں میں نے نہیں پہچانا آپ ہی بتائیں؟۔

قرآن: میں وہی ہوں جس کے ساتھ تم دنیا میں محبت وتعظیم کا معاملہ کرتے تھے، میری ہی وجہ سے رات کو جاگتے اور دن میں میری تلاوت کرتے تھے،

حامل قرآن: اچھا یہ حسین وجمیل شکل میں میرے سامنے قرآن پاک ہے۔

پھر وہ قرآن: اس کو اللہ کے قریب لے کر جائے گا جہاں اس حامل

قرآن کو مختلف انعامات سے نوازا جائے گا، ہاتھوں میں کنگن اور سر پر تاج پہنایا جائے گا اس کے والدین کو انتہائی عمدہ اور قیمتی لباس پہنایا جائے گا، وہ حیران ہوں گے کہ یہ لباس ہمیں کیوں کر ملا ہم تو اس مقام کے نہیں ہیں ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہاری اولاد کے طفیل میں ہے جن کو تم نے قرآن سکھایا تھا، (وہ اس کو پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے)۔

فرمایا (اگر زیادہ نہ ہو سکے) تو یہ دو سورتیں تو ضرور ہی یاد کرلو۔

(۱) سورہ بقرہ　　(۲) سورہ ال عمران

یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے پر قیامت میں بادل یا پرندوں کی طرح سایہ فگن ہوں گی اور اس کی بخشش کے لئے انتہائی کوشش کریں گی۔

ان دونوں سورتوں کا حاصل کرنا برکت اور چھوڑ دینا حسرت ہے۔

امتیازی حیثیت اپنائیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

''جو قرآن پاک پر ایمان رکھتا ہو اور اس کی تلاوت کرتا ہو اسے چاہیے کہ رات کو جب عام لوگ سوتے ہوں تو یہ عبادت و تلاوت میں مشغول ہو دن کو جب سب لوگ کھاتے پیتے ہوں تو یہ روزہ دار ہو، جب لوگ دنیا کی خوشی میں مست ہوں تو یہ آخرت کیلئے فکرمند و غم زدہ ہو، جب غافل لوگ ہنس رہے ہوں تو یہ خدا کے خوف سے رو رہا ہو

جب لوگ دنیا کی نعمتوں پر اترا رہے ہوں تو یہ عاجزی
وانکساری میں ڈوبا ہو، حامل قرآن رونے والا، غمگین،
بردبار، باوقار، نرم مزاج ہوتا ہے نہ کہ ظالم، غافل، شور
شغب کرنے والا تیز طرار۔''

سوگنا ثواب حاصل کریں

نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھنے کا ثواب سوگنا، بیٹھ کر پڑھنے کا پچاس گنا اور نماز کے علاوہ تلاوت کا دس گنا ملتا ہے اور سننے والے کو ہر حرف پر ایک نیکی ملتی ہے (بشرطیکہ ثواب کی نیت سے سنتا ہو) قرآن پاک کے ختم پر ایک دعا قبول ہوتی ہے جلدی یا بدیر۔

فرمایا کہ تین آدمیوں کی تحقیر وتذلیل صرف منافق ہی کرتا ہے۔

(۱) بوڑھے مسلمان کی۔ (۲) منصف حاکم کی۔

(۳) حامل قرآن کی۔

معلوم ہوا کہ ان تینوں کی تعظیم وتکریم ضروری ہے ان کی توہین وتذلیل نفاق کی علامت ہے۔

تلاوتِ قرآن پر فرشتوں کی دعاء

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے کے لئے فرشتے دعاء کرتے ہیں خصوصاً ختم کے بعد، اگر صبح کو ختم کرتا ہے

تورات تک اور رات کو ختم کرتا ہے تو صبح تک دعا کرتے رہتے ہیں۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرشتوں کو یہ پسند ہے کہ گرمی میں صبح کو اور سردی میں رات کو قرآن ختم کیا جائے تاکہ زیادہ دیر دعا کا موقع ملے۔

ایک بہترین مثال

حضور اقدس ﷺ کا فرمان حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں۔تلاوت کرنے والے مومن و متقی کی مثال ایسی جیسے لیمو،خوشبو و ذائقہ دونوں عمدہ۔

تلاوت نہ کرنے والے مومن و متقی کی مثال ایسی جیسے کھجور،ذائقہ تو عمدہ مگر خوشبو ندارد۔تلاوت کرنے والے مومن فاسق کی مثال ایسی جیسے پھول،خوشبو تو عمدہ مگر ذائقہ کڑوا۔تلاوت نہ کرنے والے مومن فاسق کی مثال ایسی جیسے حنظل،خوشبو کا نام نہیں اور ذائقہ بھی کڑوا۔

قرآن کا حق

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے سال میں دو مرتبہ قرآن ختم کیا اس نے تلاوت کا حق ادا کر دیا کیوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام سال میں ایک مرتبہ رسول ﷺ کو سناتے تھے،آخری سال دو مرتبہ سنایا۔(فقیہ سمرقندیؒ)۔

سلفِ صالحین کا شوقِ علم

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے:

"دل مردہ ہے اور اس کی زندگی علم سے ہے، علم بھی مردہ ہے
اور اس کی زندگی طلب پر منحصر ہے۔"

پہلے یہ طلب مسلمانوں میں اتنی پیدا ہو چکی تھی کہ ان کا شوقِ علم انہیں بحر و بر میں لیے پھرتا تھا اور کوئی مشکل ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی ،مسلمانوں کی حکومت اس وقت ایشیا، افریقہ، اور یورپ تینوں براعظموں میں پھیل چکی تھی ،تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ بسا اوقات تلاشِ علم میں لوگ ایک براعظم سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے میں جا پہنچتے تھے۔

مشہور عالم ابن العربی کوفی نے ایک روز اپنے درس میں دو آدمیوں سے جو باہم باتیں کرر ہے تھے، ان کے وطن دریافت کیے، ان میں سے ایک نے اپنا وطن اسپیجاب بتایا جو چین کی سرحد کے متصل تھا اور دوسرے نے اندلس (یعنی اسپین) بتایا جو یورپ کا انتہائی مغربی ملک تھا۔

اور یہ اس وقت کی بات ہے جب ہوائی جہاز اور ٹرینیں نہیں ہوتی تھیں اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں پہنچنا بہ نسبت آج کل کے خاصا دشوار ہوتا تھا، مختلف علوم خصوصاً علمِ حدیث کے لیے علمائے اسلام نے جس طرح تگ و دو کی اور مشقتیں اٹھائیں، وہ داستان دراز بھی ہے، دلچسپ بھی اور جوش انگیز بھی ، ذیل کے واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

مسلمانوں کا شوقِ علم کس مقام پر پہنچ چکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کی وفات کے وقت میں کم سن تھا، میں نے اپنے ایک ہم عمر انصاری لڑکے سے کہا کہ چلو اصحابِ رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کرلیں، کیونکہ ابھی وہ بہت ہیں، انصاری لڑکے نے جواب دیا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، تم بھی عجیب آدمی ہو، اتنے صحابیوں کی موجودگی میں لوگوں کو بھلا تمہاری کیا ضرورت پڑے گی، اس پر میں نے انصاری لڑکے کو چھوڑ دیا اور خود علم حاصل کرنے میں لگ گیا، بار ہا ایسا ہوا کہ معلوم ہوتا کہ فلاں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس فلاں حدیث ہے تو میں ان کے گھر دوڑا جاتا، اگر وہ قیلولے میں ہوتے تو میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر ان کے دروازے ہی پر پڑا رہتا اور گرم ہوا میرے چہرے کو جھلساتی رہتی، جب وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر آتے اور مجھے اس حال میں پاتے تو متاثر ہو کر کہتے:

''رسول خدا ﷺ کے چچازاد بھائی، آپ کیا چاہتے ہیں؟''

میں کہتا:

''سنا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا ﷺ کی فلاں حدیث روایت کرتے ہیں، اسی کی طلب میں حاضر ہوا ہوں۔''

وہ کہتے:

''آپ نے کسی کو بھجوا دیا ہوتا تو میں خود چلا آتا۔''

میں جواب دیتا:

''نہیں، اس کام کیلئے خود مجھے ہی آنا چاہیے تھا۔''

پھر اسکے بعد یہ ہوا کہ رسول خدا ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پاگئے تو پھر وہی انصاری دیکھتا کہ لوگوں کو میری کیسی ضرورت ہے اور حسرت سے کہتا:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تم مجھ سے زیادہ عقلمند تھے!۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اوران کے ایک انصاری پڑوسی نے باہم یہ معاملہ کرر کھا تھا کہ ایک دن وہ حضور ﷺ کی خدمت میں جاتے اور دوسرے دن انصاری پڑوسی جاتے، جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاتے جو کچھ وہاں سے سنتے وہ رات کو آکر اپنے انصاری پڑوسی کو بتادیتے اور جس دن انصاری پڑوسی جاتے وہ اس دن کے حالات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آکر بتادیتے اور اس طرح دونوں اس علم کو حاصل کرتے جاتے جو حضور ﷺ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تعلیم فرماتے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ (قبیلہ) بنوتمیم کے کچھ لوگ آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے بنوتمیم، خوش خبری قبول کرو، ان لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے ہمیں خوشخبری دی ہے تو کچھ عطا بھی کیجئے۔

پھر اہلِ یمن میں سے کچھ لوگ آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے اہل یمن، خوشخبری قبول کرو، اس لیے کہ بنو تمیم نے اسے قبول نہیں کیا، انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اسے قبول کیا اور ہم تو آپ ﷺ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور اس امر (یعنی دنیا) کی ابتداء کے متعلق سوال کریں کہ (اس سے پہلے) کیا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی شے نہیں تھی. اور اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں تمام چیزیں لکھ دیں، (اس طرح حضور ﷺ دین کی باتیں بتا رہے تھے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ میں بھی سن رہا تھا) پھر (کیا ہوا کہ) ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے عمران، اپنی اونٹنی کی خبر لے، وہ بھاگ گئی ہے، میں اس کی تلاش میں چل پڑا تو دیکھا کہ وہ سراب سے نکل گئی تھی اور خدا کی قسم مجھے یہی پسند تھا کہ اونٹنی چلی جاتی تو چلی جاتی، مگر میں (حضور ﷺ کے پاس سے) نہ اٹھتا۔ (بخاری)

علمی پیاس کا لاجواب اظہار

ایک مرتبہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو وقت کے حاکم نے قید کر دیا۔ چند دن گزرے تو ایک نوجوان حاکم وقت کے دربار میں آیا، وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ جس نے بھی اس کے چہرے کو دیکھا اس نے اس کے چہرے پر علم کا نور محسوس کیا۔ اس کا چہرہ اس آیت کا مصداق تھا:

سِيْمَاهُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ . (الفتح : ۲۹)

''ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات ہیں۔''

وہاں جتنے بھی لوگ موجود تھے ان کا جی چاہا کہ یہ نوجوان جو سوال بھی لے کر آیا ہے، پورا کر دیا جائے۔ حاکم وقت نے بھی اس کیفیت کو محسوس کیا۔ اس نے کہا: اے نوجوان! تم کیوں روتے ہو؟ کوئی تکلیف ہے تو ہم دور کر دیں گے، اگر کچھ چاہتے ہو تو ہم تم کو پورا دے دیں گے۔ جب حاکم وقت نے یہ بات کہی تو اس نوجوان نے رو کر کہا کہ میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ آپ مجھے جیل بھیج دیجئے، اب یہ عجیب سی بات تھی۔ لہٰذا حاکم وقت یہ سن کر بڑا حیران ہوا۔ اس نے پوچھا، بھئی! آپ کو جیل کیوں بھیجیں؟ اس نے جواب دیا:

''جناب! آپ نے میرے استاد کو جیل میں بھیجا ہوا ہے، جس کی وجہ سے کئی دنوں سے میرے سبق کا ناغہ ہو رہا ہے، اگر مجھے آپ جیل بھیج دیں تو میں جیل کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کر کے اپنے استاد سے سبق تو پڑھ لیا کروں گا۔''

علم کے متلاشی ایسے بھی تھے

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوا تو اس وقت کلاس کے داخلے بند ہو چکے تھے۔ ناظم تعلیمات نے انکار کر دیا کہ ہم آپ کو داخلہ نہیں دے سکتے۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ حضرت! آخر کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ہمارے دارالعلوم میں مطبخ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی طبّاخ ہے، بلکہ بستی والوں نے ایک ایک دو دو

طالب علموں کا کھانا اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ اس لئے جتنے طلباء کا کھانا گھروں سے پک کر آتا ہے اتنے طالبعلموں کو داخلہ دیتے ہیں اور بقیہ سے معذرت کر لیتے ہیں، اب کوئی ایک گھر بھی ایسا نہیں ہے جو مزید ایک طالب علم کا کھانا پکانے کی استطاعت رکھتا ہو، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگر کھانے کی ذمہ داری میری اپنی ہو تو کیا پڑھنے کے لئے آپ مجھے کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس طرح ان کو مشروط داخلہ مل گیا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں سارا دن طلباء کے ساتھ بیٹھ کر پڑھتا رہتا۔ رات کو تکرار کرتا اور جب طلباء سو جاتے تو میں اساتذہ کی اجازت کے ساتھ دارالعلوم سے باہر نکلتا بستی میں سبزی یا فروٹ کی دو دکانیں تھیں۔ اس وقت تو وہ دکانیں بند ہو چکی ہوتی تھیں۔ میں ان کے سامنے جاتا تو مجھے کہیں سے آم کے چھلکے، کہیں سے خربوزے کے چھلکے اور کہیں سے کیلے کے چھلکے مل جاتے، میں انہیں وہاں سے اٹھا کر لاتا اور دھو کر صاف کرتا اور پھر کھا لیتا۔ میرے چوبیس گھنٹے کا یہ کھانا ہوتا تھا۔ میں نے پورا سال اسی طرح چھلکے کھا کر گزارا مگر اپنا سبق قضا نہ ہونے دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست۔ ایک اعلیٰ مثال

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ درس دیا کرتے تھے۔ وہاں سے چند میل کے فاصلے پر ایک اور بستی تھی۔ وہاں سے بھی لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! آپ ہمارے ہاں بھی درس دیا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس وقت بہت کم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا، حضرت! ہم ایک سواری کا بندوبست کر دیتے ہیں، آپ درس دیتے ہی اس پر سوار ہوں اور ہماری بستی میں

آئیں اور وہاں درس دے کر جلدی واپس آجائیں، اس طرح پیدل آنے جانے میں جو وقت لگے گا وہی درس میں لگ جائے گا، آپ نے قبول فرمالیا۔

جب آپ نے وہ درس دینا شروع کیا تو یہ وہ دن تھے جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی درخواست پیش کرتے ہوئے کہا: حضرت! میں نے بھی آپ سے یہ کتاب پڑھنی ہے، حضرت نے فرمایا، بھئی! اب کیسے وقت فارغ کروں، اب مجھے یہاں بھی درس دینا ہوتا ہے اور وہاں بھی۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! جب آپ یہاں درس دینے کے بعد سواری پر بیٹھ کر اگلی بستی کی طرف جائیں گے تو آپ سواری پر بیٹھے بیٹھے درس دے دیں میں سواری کے ساتھ دوڑتا بھی رہوں گا اور آپ سے علم بھی سیکھتا رہوں گا۔

تاریخ انسانیت طلب علم کی اس سے اعلیٰ مثال پیش نہیں کرسکتی۔ یہ دینِ اسلام کا حسن و جمال ہے۔

علمی غیرت کا حیران کن واقعہ

طلب علم کے راستے میں ہمارے اکابرین کو مجاہدے بھی کرنے پڑے۔ اس وقت کی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ ان کو سہولتیں میسر تھیں۔ مثال کے طور پر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ پڑھنے کے لئے ایک محدث کی خدمت میں پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ ہم تینوں کے پاس گزر اوقات کے لئے ستو وغیرہ تھے۔ ہم اسی کو تھوڑا تھوڑا کر کے استعمال کرتے رہے۔ ہمارے سبق کے مکمل ہونے میں ابھی تین دن باقی تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی چیزیں ختم

ہو گئیں۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ بھئی! دو آدمی تو استاد کا درس سننے کے لئے جایا کریں اور تیسرا مزدوری وغیرہ کر کے کھانے کا بندوبست کرے تاکہ بقیہ دونوں کے لئے کھانے کا کچھ انتظام ہو جائے۔ ایک ایک دن سب کو کام کرنا پڑے گا اور یوں تین دن گزر جائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ باقی دو تو درس سننے کے لئے چلے گئے اور جس آدمی نے پہلے دن مزدوری کرنی تھی وہ مسجد میں چلا گیا۔ سوچنے لگا کہ مجھے مخلوق کی مزدوری کرنے سے کیا ملے گا، کیوں نہ اپنے مالک کی مزدوری کرلوں۔ بالواسطہ لینے کی بجائے بلاواسطہ کیوں نہ حاصل کروں، چنانچہ انہوں نے نفلیں پڑھنی شروع کر دیں۔ وہ نفلیں پڑھتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے۔ وہ سارا دن مسجد میں گزار کر شام کو واپس آگئے۔ باقی دوستوں نے پوچھا، بتاؤ بھی! کچھ انتظام ہوا؟ کہنے لگے، جناب! میں نے سارا دن ایک ایسے مالک کی مزدوری کی ہے جو پورا پورا حساب چکاتا ہے، اس لئے ضرور دیگا۔ وہ مطمئن ہو گئے۔

دوسرے دن دوسرے کی باری تھی۔ اپنی سوچ کے تحت انہوں نے بھی یہی راستہ اپنایا، وہ بھی مسجد میں سارا دن اللہ کی عبادت کرتے رہے اور اللہ رب العزت سے دعا مانگتے رہے۔ شام کو دوستوں نے پوچھا، سنائیں! کوئی انتظام ہوا؟ کہنے لگے کہ میں نے ایک ایسے مالک کی مزدوری کی ہے جو کسی کا قرض نہیں رہنے دیتا بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے اور یہ اس کا وعدہ ہے۔

تیسرے دن تیسرے نے بھی یہی عمل کیا۔ اللہ کی شان کہ تیسرے دن کے بعد حاکم وقت رات کو سویا ہوا تھا، اس نے خواب میں ایک بہت بڑی بلا دیکھی اور

اس بلا نے اپنا پنجہ اسے مارنے کے لئے اٹھایا اور کہا:

''حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے ساتھیو کا
خیال کرو۔''

یہ منظر دیکھتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ہر طرف ہر کارے دوڑا دیئے اور کہا کہ پتہ کرو کہ سفیان کون ہے۔ اس نے ہر ایک کو درہم و دینار سے بھری تھیلیاں بھی دیں اور کہا کہ یہ تو اسی وقت ان کو دے دینا اور بعد میں جب مجھے اطلاع کرو گے تو میں خزانوں کے منہ کھول دوں گا۔ ادھر تعلیم کا دن مکمل ہوا اور ادھر پولیس والے تلاش کرتے کرتے مسجد میں پہنچ۔ پولیس والوں نے پوچھا، جی یہاں سفیان نامی کوئی بندہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ وقت کے حاکم کو یہ خواب آیا ہے اور اس نے ہمیں بھیجا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب دو دروازے ہیں۔ ایک مالک کا دروازہ اور ایک حاکم وقت کا دروازہ، ہم نے جو علم پڑھا ہے اس میں تو یہی سیکھا ہے کہ ہم نے مالک سے لینا ہے۔ لہٰذا ہماری علمی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ہم چل کر حاکم وقت کے دروازے کے پاس جائیں۔

اللہ اکبر، تین دن کے بھوکے تھے مگر حاکم وقت کے پاس جانا گوارا ہی نہ کیا بلکہ اسی حالت میں انہوں نے واپس اپنے وطن کا سفر مکمل کیا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا واقعہ

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں تحریک آزادی کیلئے کوششیں کر رہے تھے ان دنوں آپ کبھی رات کے ایک بجے جلسہ سے

فارغ ہوکر واپس دارالعلوم آتے اور کبھی دو بجے آتے۔ اس لئے طلباء نے دارالعلوم دیوبند کے دربان کو کہا ہوا تھا کہ جب بھی حضرت تشریف لاتے ہیں تو وضو کر کے تہجد کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں جیسے ہی وہ وضو کر کے نماز پڑھیں آپ ہمیں جگادیں۔ جب حضرت سلام پھیرتے تو حدیث کے طلباء اپنی کتابیں لے کر حضرت کے پیچھے بیٹھ چکے ہوتے رات کے دو بجے درس حدیث ہوتا تھا اس وقت کے طلباء میں علم حاصل کرنے کا اتنا شوق تھا۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر ایسا نور ہوتا تھا کہ جب حضرت اوابین یا تہجد کی نماز پڑھتے تو طلبا ستونوں یا دیواروں کے پیچھے سے حضرت کے چہرے کو دیکھتے رہتے تھے، یوں اللہ تعالیٰ ان کے چہرے پر انوارات کی بارش برسایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سلفِ صالحین کی طرح علم کی اہمیت اور فضیلت کا احساس ہمارے اندر بھی پیدا فرمادے، تاکہ حصولِ علم اور اشاعتِ علم پر ہم اپنی طاقت وقوت صرف کر کے سعادتِ دارین کے مستحق بن جائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

عُلمائے دین کا مقام و فضیلت

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرۃ مولانا عبد الواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ و مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبد اللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

ایک عالم ایک ہزار عابد پر بھاری ہے

عَنْ ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَقیهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلی الشیطانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ.

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک فقیہ (یعنی عالم دین شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے (یعنی اس پر بھاری ہے)۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، امّابعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قال الله تبارک وتعالیٰ: قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الذين يَعْلَمُونَ والذين لاَ يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُواْ الألباب (سورة الزمر: ۹)

''اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) وہی لوگ غور کرتے ہیں (نصیحت حاصل کرتے ہیں) جو عقل والے ہیں۔''

قال النبی صلی الله علیه وسلم: إن العلماء ورثة الأنبياء وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما إنما ورثوا العلم فمن أخذ به أخذ بحظ وافر (ترمذی وابوداؤد)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے دینار اور درہم کی میراث نہیں چھوڑی ہے فقط علم کی میراث چھوڑی ہے پس جس شخص نے علم کو لے لیا اس نے میراث انبیاء کا بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا ہے۔''

(یہ طویل حدیث مبارکہ کا آخری حصہ ہے)

آج کی نشست میں علماء کا مقام انکی فضیلت اور ان کی ضرورت سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، علم سیکھنے اور اسکو سکھانے والے دونوں ہی بہت بلند مقام رکھتے ہیں، ابتدائی اور تمہیدی طور پر علم کی اہمیت مختصراً پھر ذہن نشین کریں، پھر اصل موضوع کا تفصیلی بیان ہوگا۔

علم دین کی اہمیت اور فضیلت

دینی اصطلاح اور قرآن وحدیث کی زبان میں علم دین سے مراد وہی علم ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً جناب رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کیلئے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی ورسول پر ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا فرض آدمی پر یہ عاید ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرے اور جاننے کی کوشش کرے کہ میرے لیے پیغمبر کی تعلیم وہدایت کیا ہے اور وہ کیا اللہ کی طرف سے لیکر آتے ہیں، مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے کس چیز پر عمل کرنا ہے اور کس چیز پر عمل نہیں کرنا ہے یعنی اسے چھوڑنا ہے اس لیے اسکا سیکھنا اور سکھانا ایمان کے

بعد پہلا فریضہ ہے۔

حضور ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات میں بقدرضرورت علم دین کا حاصل کرنا ہراس شخص پر فرض اور واجب بتلایا گیا ہے جو آپ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان لائے اور اللہ کا بھیجا ہوا دین اسلام قبول کرے اور اس علم کے حاصل کرنے میں محنت ومشقت کو آپ ﷺ نے ایک طرح ''جہاد فی سبیل اللہ'' اور قرب الٰہی کا خاص الخاص ذریعہ اور وسیلہ بتلایا ہے اور اسکے برخلاف جو غفلت اور بے پرواہی برتتا ہے اسے قابل تعزیر اور جرم قرار دیا ہے یہ علم انبیاء علیہم السلام اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی خاص میراث ہے اور پوری کائنات کی سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی دولت ہے اور بہت اونچا مقام ہے اس بندے کا جو اس علم کو حاصل کریں اور اسکا حق ادا کریں اسکو سیکھیں اور سکھائیں یہی لوگ وارثین انبیاء ہیں، آسمان کے فرشتوں سے لیکر زمین کی چیونٹیوں اور دریا کی مچھلیوں تک تمام مخلوقات ان سے محبت کرتی ہے اور ان کے لیے دعا خیر کرتی ہے اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی اس مقدس میراث کو اہمیت نہ دیں یا اس کو غلط اغراض کیلئے استعمال کریں وہ بدترین مجرم اور غضب خداوندی کے مستحق ہیں۔

(اللہ ہماری حفاظت فرمائے آمین)

خوش قسمتی اور سعادت مندی

علوم نبوت بہت ہی قیمتی چیز ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس کے

سیکھنے اور سکھانے کیلئے منتخب فرمالیا ہے وہ بہت ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہیں وہ اس پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا جتنا بھی شکر بجالائیں کم ہے اس لئے علم دین سیکھنے والے طلباء اور علم دین سکھانے والے علماء کو اس عنایت الٰہی کا استحضار رکھنا چاہیے کہ انہیں علوم وحی کے سیکھنے اور سکھانے کی توفیق عطا فرمائی، انہیں یہ دیکھ کر مغموم اور پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ آج مادیت کے دور میں اور مادیت زدہ دنیا انکی ناقدر شناس ہے یا انکی عزت ومنزلت اور انکے مرتبہ ومقام سے ناآشنا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک کہ ہر وقت سامنے رہے، فرمایا:

رضینا قسمة الجبار فینا
لنا علم وللجهال مال
فان المال یفنی عن قریب
وان العلم باق لایزال

''ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم عطا فرمایا اور جاہلوں کو مال دیا کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائیگا اور علم باقی اور لازوال دولت ہے لہذا حاملین علوم نبوت کا اپنے آپ کو کم تر سمجھنا علوم نبوی کی ناقدری ہے، بلکہ یہ تو بہت بڑی خوش قسمتی اور سعادت مندی ہے۔''

حاملینِ علم کا مقام و مرتبہ

اسی حوالے سے احادیث مبارکہ پڑھیے۔

عن ابی الدداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سلک طریقا یطلب بہ علما سلک اللہ بہ طریقا من طرق الجنۃ وان الملئکۃ لتضع اجنحتھا رضا لطالب العلم وان العالم یستغفرلہ من فی السموات ومن فی الارض والحیتان فی جوف الماء وان فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرھما وانما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر . (رواہ الترمذی)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ (دین کا) علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا۔۔۔۔۔۔اور (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) اللہ کے فرشتے طالبانِ علم کے لئے اظہارِ رضا (اور اکرام واحترام) کے طور پر اپنے بازو جھکا دیتے ہیں، اور (اور فرمایا کہ) علم دین کے حامل کے لئے آسمان وزمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی استدعا

کرتی ہیں، یہاں تک کہ دریا کے پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی، اور (آپ ﷺ نے فرمایا) عبادت گذاروں کے مقابلہ میں حاملین علم کو ایسی برتری حاصل ہے جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کو آسمان کے باقی ستاروں پر اور (یہ بھی فرمایا کہ) علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء علیہم السلام نے دیناروں اور درہموں کا ترکہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ انہوں نے اپنے ترکے اور ورثے میں صرف علم چھوڑا ہے تو جس نے اس کو حاصل کر لیا، اس نے بہت بڑی کامیابی اور خوش بختی حاصل کر لی۔"

فائدہ

فی الواقع انبیاء علیہم السلام کی میراث ان کا لایا ہوا وہ علم ہی ہے، جو بندوں کی ہدایت کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہے۔

طبرانی نے معجم اوسط میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار کی طرف سے گزرے، لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم یہاں ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آ کر کہا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں بٹ رہا، کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، کچھ لوگ حلال و حرام کی یعنی

شرعی احکام و مسائل کی باتیں کر رہے ہیں، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔

عالم کے نہ ہونے کا نقصان

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے بندوں (کے سینوں) سے کھینچے بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھالے گا (کہ جب عالم ختم ہو جائیں گے تو علم بھی ختم ہو جائیگا) یہاں تک کہ جب کوئی علم والا نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پھر ان (جاہلوں) سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، پھر (خود ہی) گمراہ ہوں گے اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کریں گے۔ (بخاری)

غرضیکہ اسلام نے علم کو زیادہ فضیلت عطا کی ہے اور ایک صحیح اور سچا مسلمان بننے کے سلسلے میں علم کو خاص اہمیت حاصل ہے، لہذا صلحائے امت نے حصول علم کو ہمیشہ عبادت کا درجہ دیے رکھا تاکہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور جہالت سے امت میں افراتفری نہ پھیلے اور جہلاء کے ہاتھوں دین کی سرداری نہ آنے پائے۔

علم دین سکھانے والے کیلئے ہر چیز دعا گو ہے

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله وملائكته واهل السموات والارض حتى النملة في حجرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير (رواه الترمذی)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین میں رہنے والی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور (پانی میں رہنے والی) مچھلیاں بھی اس بندے کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کی اور دین کی تعلیم دیتا ہے۔''

فائدہ

متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ علم کے سیکھنے اور سکھانے والے کے اعزاز اور مقام و مرتبے کے پیش نظر ہر چیز اس کے حق میں دعا گو رہتی ہے کیونکہ علم کے ذریعے سے ہر چیز کے حقوق کا تعین ہوتا ہے اور مخلوق خدا کو ان کے حقوق فرائض منصبی میں شامل کی جاتی ہے، جس کی بناء پر ہر چیز ان کے لئے دعاء گو رہتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی معلّم تھے

عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنه ان

رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بمجلسين في مسجده فقال كلاهما على خير واحدهما افضل من صاحبه، اما هؤلاء فيدعون الله ويرغبون اليه فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم، واما هؤلاء فيتعلمون الفقه او العلم ويعلمون الجاهل فهم افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فيهم (رواه الدارمی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا جو آپ کی مسجد میں قائم تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں خیر کی اور نیکی کی مبارک مجلسیں ہیں (ایک مجلس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) یہ لوگ اللہ سے دعا اور مناجات میں مشغول ہیں، اللہ چاہے تو عطا فرمادے اور چاہے تو عطا نہ فرمائے (وہ مالک مختار ہے) اور (دوسری مجلس کے بارے میں فرمایا کہ) یہ لوگ علم دین حاصل کرنے میں اور نہ جاننے والوں کو سکھانے میں لگے ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا درجہ بالاتر ہے اور میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آپ انہیں میں بیٹھ گئے۔''

عالم کا جنت میں ملنے والا درجہ

عن الحسنؒ مرسلا قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من جاءه الموت وهو يطلب العلم ليحيى به الاسلام فبينه وبين النبيين درجة في الجنة (رواه الدارمی)

"حضرت حسن بصریؒ نے بطریقہ ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ اس نیت سے علم دین کی طلب و تحصیل میں لگا ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان بس ایک درجہ کا فرق ہوگا۔"

عالم کا درجہ عابد سے بہت بڑا ہے

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْاٰخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلَ ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلٰى

الْعَابِدِ الَّذِیْ یَصُوْمُ النَّهَارَ وَیَقُوْمُ
اللَّیْلَ كَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاكُمْ ۔ (رواه الدارمی)

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا۔ اور دوسرے صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ دن کو برابر روزہ رکھتے اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں کون افضل اور اعلیٰ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عالم جو فرض نماز ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دین اور نیکی کی باتیں سکھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس کو اس صائم النہار اور قائم اللیل عابد کے مقابلہ میں اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کی تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔''

فائدہ

مندرجہ بالا حدیثوں میں ''علم''، ''طالبین علم''، علماء اور معلمین کی جو غیر معمولی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کی گئی ہیں، ان کا راز یہی ہے کہ ''علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نور ہدایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ

سے آیا ہے اور دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھا لئے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا الٰہی علم (جو قرآن و حدیث میں ہے) علماء کرام امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہیں، وہ نبی تو نہیں ہیں، لیکن وارث انبیاء ہونے کی حیثیت سے کار نبوت سنبھالے ہوئے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو اور آلہ کار ہیں۔ اسی خصوصیت نے ان کو اس مقام و مرتبہ پر پہنچا دیا ہے اور ان غیر معمولی انعامات الٰہیہ کا مستحق بنا دیا ہے جن کا مندرجہ بالا حدیثوں کے ذریعہ اعلان فرمایا گیا ہے، اور عالم کو ایک عابد پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔

عالم سب سے زیادہ سخی ہوتا ہے

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ أَنَا أَجْوَدُ بَنِيْ آدَمَ وَأَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَحْدَهٗ أَوْقَالَ اُمَّةً وَاحِدَةً.

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا ''کیا تم جانتے ہو

کہ سخاوت کے معاملے میں سب سے بڑا سخی کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخاوت کرنے میں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سخی ہے اور بنی آدم میں سب سے بڑا سخی میں ہوں، پھر لوگوں میں میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہوگا جس نے علم سیکھا اور اسے پھیلایا وہ شخص قیامت کے دن ایک ''امیر'' یا فرمایا کہ ایک گروہ کی طرح آئے گا۔''

فائدہ

اجود جودًا:

یعنی تمام سخیوں میں سخاوت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سخی ہے۔ کیونکہ ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر آج تک جانداروں کو اور تمام کفار و اشرار کو اور تمام ابرار کو کھلا رہا ہے۔ پلا رہا ہے اور خوانِ نعمت کو بچھائے رکھا ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سخاوت ہے آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے وارث جو علماء ہیں وہ سب سے زیادہ سخی ہیں۔

امیرًا واحدًا:

یعنی وہ علم سیکھنے اور سکھانے والا اگرچہ اکیلا ہوگا مگر امیر ہو کر آئے گا گویا اس کے ماتحت جم غفیر ہوگا۔ کیونکہ اس نے جن کو پڑھایا یا اس کی تعلیمات جن تک پہنچیں اور انہوں نے آگے اوروں کو پہنچایا تو لاکھوں کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا۔

عالم کی صحبت میں بیٹھنے پر سات انعامات

نیک و باعمل عالم کی صحبت میں بیٹھنے والا کسی حال میں محروم نہیں رہتا۔
اگر وہ جاہل اور اتنا بے وقوف ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتا تب بھی اس کو سات انعام دیے جاتے ہیں۔

(۱) طلب علم کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔
(۲) مجلس کے وقت گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے۔
(۳) مجلس سے اٹھتے وقت اس پر بھی رحمت نازل ہوتی ہے۔
(۴) دورانِ مجلس نازل ہونے والی رحمت میں اس کا بھی حصہ ہوتا ہے۔
(۵) جب تک علمی باتیں سنتا رہتا ہے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔
(۶) علماء اور طلباء پر فرشتے سایہ کرتے ہیں یہ بھی اس میں شریک رہتا ہے۔
(۷) ہر قدم پر نیکیوں میں اضافہ اور گناہوں کی معافی ملتی ہے۔

اسکے علاوہ چھ انعام اور بھی ہیں۔

(۱) علماء کی مجلس کی محبت نصیب ہوتی ہے۔
(۲) مجلس کے ایک فرد نے بھی اگر عمل کیا تو ثواب میں سب شریک ہوں گے۔
(۳) اہل مجلس میں سے اگر ایک ہی کی مغفرت ہو گی تو وہ باقی

ساتھیوں کیلئے سفارش کرے گا۔

(۴) بری مجلس سے دور رہنے کی وجہ سے قلبی سکون نصیب ہوگا۔

(۵) اس کا شمار طالب علم اور نیکوں میں ہوگا۔

(۶) اللہ کے حکم کو قائم کرنے والا شمار ہوگا۔ (فقیہ ابواللیثؒ)

دو شخصیتیں قابلِ رشک ہیں

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لاَ حَسَدَ اِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا (غبطہ کرنا) ٹھیک ہے ایک تو وہ جسے خدا نے مال دیا ہے اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دوسرا وہ شخص جسے خدا نے علم دیا ہے چنانچہ وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔“

فائدہ

لا حسد :

غیر کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے۔ خواہ اس کو ملے یا نہ

ملے۔ مگر اس غیر سے زائل ہو جائے یہ بالاتفاق حرام ہے، دوسرا غبطہ ہے، وہ یہ ہے کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس طرح کی چیز مجھے بھی مل جائے اور اس کے پاس بھی باقی رہے یعنی نعمت غیر کی تمنا کرے مگر اس غیر سے زوال مقصود نہ ہو۔

شبہ یہ ہے کہ حسد تو شرعاً جائز نہیں تو ان دو چیزوں میں اس کی اجازت کیسے دے دی گئی ہے؟

اس سوال کے دو جواب ہیں پہلا جواب تو وہی ہے کہ یہاں اس حدیث میں لفظ حسد آیا ہے لیکن یہ غبطہ کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر حسد سے مراد غبطہ اور رشک ہی تھا تو پھر صرف ان دو چیزوں میں رشک کی اجازت کا کیا مطلب ہوا؟ رشک جب جائز امر ہے تو پھر وہ ہر چیز میں جائز ہے۔ لہٰذا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام فرض اور تقدیر کے طور پر ہے، کہ حسد کسی چیز میں جائز نہیں ہے، مگر یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اگر فرض کرلو کہ کسی چیز میں حسد جائز ہوتا تو ان دو چیزوں میں ہوتا لیکن حسد چونکہ کہیں بھی جائز نہیں تو ان دو میں بھی جائز نہیں۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ دو خصلتیں اتنی بڑی ہیں کہ اس میں حسد کرنا بھی جائز ہے گویا یہ دو چیزیں حسد کے عام قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

علم کا حریص کبھی سیر نہیں ہوتا

عن ابی الدرداء رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْهُوْمَانِ لاَ یَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِی الْعِلْمِ لاَ یَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِی الدُّنْیَا لاَ یَشْبَعُ مِنْهَا (البیهقی)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حرص کرنے والے دو شخص ہیں جن کا پیٹ (کبھی) نہیں بھرتا۔ ایک علم میں حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ علم سے کبھی بھی نہیں بھرتا، اور دوسرا دنیا کی حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ دنیا سے کبھی نہیں بھرتا۔''

فائدہ

منھوم: حریص کے معنی میں ہے۔

شبع: پیٹ بھرنے کے معنی میں ہے۔

یعنی دو قسم کے حریص ہیں۔ ایک دنیا کا حریص ہے جو مذموم ہے، قطعاً پسندیدہ نہیں۔

دوسرا علم کا حریص ہے جو محمود ہے، کیونکہ دنیا کا طالب انجام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور علم کا طالب جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف جاتا ہے اور کامیاب ہو جاتا ہے۔

ایک عالم ایک ہزار عابد پر بھاری ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنهما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایک فقیہ (یعنی عالم دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے (یعنی اس پر بھاری ہے۔)۔"

فائدہ

فقیہ واحد:

یعنی وہ عالم جو احکام اور منشائے احکام کو بھی جانتا ہو عالم باللہ اور عالم بامر اللہ ہو۔ فقاہت سے مراد دین اسلام کی سمجھ بوجھ ہے۔ خواہ وہ جہاں بھی ہو اور جس شعبہ میں ہو۔ عابد سے مراد وہ عابد ہے جو فرائض کو جانتا ہے۔ مگر احکام کے منشا کو نہیں جانتا ہے، عابد سے مراد نرا جاہل عابد نہیں کیونکہ وہ تو خطرناک ہوتا ہے۔

علم کا مقام اور عالم کی شان

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اللہ رب العزت کسی عام بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیتے ہیں اور جب اللہ

تعالیٰ کسی عالم سے خوش ہوتے ہیں تو اس کے لئے جنت میں شہر آباد کر دیا کرتے ہیں۔ جیسے دنیا میں نوابوں کی اپنی اپنی ریاستیں ہوتی ہیں، اسی طرح اللہ رب العزت جنت میں علماء کا اکرام فرماتے ہوئے ان کی بستیاں آباد کریں گے۔

اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے والوں کو بڑی شان بخشتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ ڈنگروں اور جانوروں جیسی زندگی گزارا کرتے کیونکہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ:

العلم نورٌ.

''علم ایک نور ہے۔''

گویا اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے

العلم نورٌ.

ارشاد فرما کر جہالت سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، حتیٰ کہ جب پہلی وحی اتری تو اس میں پہلا لفظ اقراء تھا اس کا مطلب ہے ''پڑھ'' یعنی اس امت کو اللہ رب العزت کی طرف سے جو پہلا پیغام ملا اس میں پڑھنے کی تلقین تھی۔ پھر فرمایا:

اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ. (العلق : ۳)

''آپ پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔''

اس پیغام خداوندی سے علم کی اہمیت سامنے آجاتی ہے۔

جنت میں بھی علماء کی ضرورت اور سرداری باقی رہے گی

یہ بات یاد رکھیں کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی سرداری اہل علم ہی کی ہوگی۔ کنز العمال کی چوتھی جلد میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ جب لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کو جنت میں مزے اڑاتے ہوئے بڑا عرصہ گزر جائے گا تو اللہ رب العزت پوچھیں گے، اے میرے بندو! کیا اب بھی تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ وہ کہیں گے، اے اللہ! ہر چیز تو موجود ہے اور ہم مزے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اچھا! تم اپنے علماء سے پوچھو، چنانچہ جنتی لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے اور کہیں گے کہ پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہے، اب آپ بتائیے، علماء فرمائیں گے، ہاں! پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا:

وَلَدَيْنَا مَزِيْد.

کہ تمہیں مزید بھی عطا کیا جائے گا، یعنی اپنا دیدار اور مشاہدہ نصیب کیا جائے گا، ابھی تک ہمیں جنت کی نعمتیں تو ملی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ لہٰذا علماء کا جواب سن کر جنتی فریاد کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔

عالم کا درس و تدریس کرنا تہجد سے افضل ہے

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ

تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اِحْيَائِهَا.

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات میں تھوڑی دیر علم کا درس دینا تمام رات کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔''

فائدہ

تدارس العلم:

یعنی ایک گھڑی اور تھوڑی دیر کے لئے علمی درس و تدریس کا مشغلہ رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ عبادت کا تعلق اس شخص کی ذات سے وابستہ ہے اور علمی مشغلہ درس و تدریس وتحریر و تصنیف امت اسلامیہ کی عمومی خدمت ہے۔ نیز عابد اور اس کی عبادت ایک وقتی عارضی عمل ہے اور علمی مشغلہ دائمی اور متعدی و پائیدار عمل ہے، اس لئے یہ افضل ہے۔

ایک عالم اور عام آدمی کے توبہ میں فرق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عالم کی توبہ پر اس کے چالیس گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، جبکہ عام آدمی کے اسی طرح توبہ کرنے پر صرف ایک گناہ معاف کرتے ہیں۔

محدثین نے اس کی حکمت لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ عام آدمی کی مثال سپاہی کی ہے اور عالم کی مثال جرنیل کی ہے، ایک سپاہی بیمار ہوتا ہے

اور ایک جرنیل بیمار ہوتا ہے تو کس کا صحتمند ہونا زیادہ ضروری ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ جرنیل کا۔

کیونکہ اس نے پورے لشکر کو لڑانا ہوتا ہے اور جرنیل کے بغیر لشکر بے کار ہوتا ہے۔ جس طرح جرنیل بدنی طور پر بیمار ہو جائے تو اس کا صحت مند ہونا پہلے ضروری ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس وقت حزب اللہ (اللہ کا گروہ) دین کا کام کر رہا ہوتا ہے تو اس میں جرنیل (عالم) کا صحتمند ہونا زیادہ اہم ہوتا ہے...... جیسے خیبر کے موقع پر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک لگایا اور اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی، پھر ان کے ہاتھ جھنڈا دے کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔ لہٰذا جب عام آدمی اللہ رب العزت کے سامنے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک گناہ کو معاف کرتے ہیں، جب کہ اتنا ہی استغفار کرنے پر اللہ تعالیٰ ایک عالم کے چالیس گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

علماء کے قلم کی روشنائی شہیدوں کے خون سے وزنی ہوگی

یہ بات یقینی ہے کہ قیامت کے دن اچھے برے اعمال کا وزن ہوگا، اسپر آیت قرآنیہ بھی شاہد ہیں اور احادیث مبارکہ میں اسکا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، صرف ایک آیت مبارکہ پیش خدمت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ .وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ .(سورة الاعراف:۸،۹)

''اور اس روز (یعنی قیامت کے دن اعمال وعقائد کا) وزن واقع ہونے والا ہے (تاکہ عام طور پر ہر ایک کی حالت ظاہر ہو جائے) پھر (وزن کے بعد) جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا سو ایسے لوگ (تو) کامیاب ہوں گے (یعنی نجات پائیں گے) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا بسبب اسکے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے۔''

وزن اعمال کے متعلق جو تفصیلی بیان رسول اکرم ﷺ کی احادیث میں آیا ہے اس میں ایک بات تو یہ قابلِ غور ہے کہ متعدد روایات حدیث میں آیا ہے محشر کی میزان عدل میں سب سے بڑا وزن کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہوگا، جس۔۔۔ پلے میں یہ کلمہ ہوگا وہ سب پر بھاری ہوگا۔

میدان حشر کا واقعہ نمبر۱

حضرت امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی جس سے انہوں نے علم دین اور احکام دین

لکھے ہیں اور شہیدوں کے خون کو تولا جائیگا تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون کے وزن سے بڑھ جائیگا۔ (معارف القرآن ج:۳)

میدان حشر کا واقعہ نمبر ۲

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک شخص حاضر ہوگا جب اسکا نامہ اعمال سامنے آئیگا، تو وہ اپنے نیک اعمال کو بہت کم پا کر گھبرائے گا کہ اچانک ایک چیز بادل کی طرح اٹھکر آئے گی اور اسکے اعمال کے پلڑے میں گر جائے گی اور اس کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور اسکو بتلایا جائیگا کہ یہ تیرے اس عمل کا ثمرہ ہے جو تو دنیا میں لوگوں کو دین کے احکام و مسائل بتلاتا اور سکھلاتا تھا اور یہ تیری تعلیم کا سلسلہ آگے چلا تو جس جس شخص نے اس پر عمل کیا ان سب کے عمل میں تیرا حصہ بھی لگایا گیا۔

(معارف القرآن ج:۳ بحوالہ تفسیر مظہری)

دین نہ جاننے والوں کا فرض سیکھنا ہے اور جاننے والوں کا فرض سکھانا ہے

عَنْ اَبْزَی الْخُزَاعِیِّ وَالِدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ یَوْمٍ فَاَثْنٰی عَلٰی طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرًا، ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ لاَ یُفَقِّھُوْنَ جِیْرَانَھُمْ وَلاَ یُعَلِّمُوْنَھُمْ وَلاَ یَعِظُوْنَھُمْ وَلاَ یَاْمُرُوْنَھُمْ وَلاَ یَنْھَوْنَھُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لاَ یَتَعَلَّمُوْنَ

مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَلاَ يَتَفَقَّهُوْنَ وَلاَ يَتَّعِظُوْنَ، وَ اللّٰهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَأْمُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْلاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا... ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ بَيْتَهُ فَقَالَ قَوْمٌ مَنْ تَرَوْنَهُمْ عَنىٰ بِهٰؤُلاَءِ ؟ فَقَالُوْا نَرَاهُ عَنىٰ بِهِ الْاَشْعَرِيِّيْنَ، هُمْ قَوْمٌ فُقَهَاءُ وَلَهُمْ جِيْرَانٌ جُفَاةٌ مِنْ اَهْلِ الْمِيَاهِ وَالْاَعْرَابِ... فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْاَشْعَرِيِّيْنَ، فَاتَوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَكَرْتَ قَوْمًا بِخَيْرٍ وَذَكَرْتَنَا بِشَرٍّ فَمَا بَالُنَا ؟ فَقَالَ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَلَيُفَقِّهَنَّهُمْ وَلَيَعِظَنَّهُمْ وَلَيَأْمُرَنَّهُمْ وَلَيَنْهَيَنَّهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَّعِظُوْنَ وَيَتَفَقَّهُوْنَ اَوْلاَعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا فَقَالُوْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَبِطَيْرُ غَيْرِنَا ؟ فَاَعَادَ قَوْلَهُ عَلَيْهِمْ وَاَعَادُوْا قَوْلَهُمْ اَبِطَيْرِ غَيْرِنَا؟ فَقَالَ ذَالِكَ اَيْضًا ، فَقَالُوْ اَمْهِلْنَا سَنَةً فَاَمْهَلَهُمْ سَنَةً لِيُفَقِّهُوْهُمْ وَيُعَلِّمُوْهُمْ وَيَعِظُوْهُمْ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَائِيْلَ عَلىٰ لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَالِكَ بِمَا

عَصَوْا وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. كَانُوْا لَايَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ. رواه ابن راهويه والبخاری فی الواحدان وابن السكن و ابن مندة والطبرانی فی الكبير.

''مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن ابزی الخزاعی رضی اللہ عنہما کے والد) ابزی الخزاعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے (مسجد میں منبر پر) خطاب فرمایا، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تعریف فرمائی (کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں) اس کے بعد آپ ﷺ نے (مسلمانوں کے بعض دوسرے گروہوں کو تنبیہ اور سرزنش کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس) جو اپنے پڑوس والے (ان مسلمانوں کو جو دین سے واقف نہیں ہیں) دین نہیں سمجھاتے اور دین کی تعلیم نہیں دیتے اور وعظ و نصیحت نہیں کرتے اور ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتے (اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا) اور کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس جو دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود) وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے (ان مسلمانوں سے جو دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں) دین سیکھنے اور

اس کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔

(اس کے بعد آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ (جو دین کا علم رکھتے ہیں، علم نہ رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں.... اور (جو لوگ دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں، ان کو) میری تاکید ہے کہ وہ (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں، ورنہ (یعنی اگر ان دونوں فریقوں نے اس ہدایت پر عمل نہیں کیا تو) میں ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا۔"

اس کے بعد (یعنی یہ تنبیہی خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد) آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور گھر کے اندر تشریف لے گئے۔

اس کے بعد لوگوں نے آپس میں کہا کہ کیا خیال ہے، حضور ﷺ کی مراد کون لوگ ہیں؟ (یعنی آپ ﷺ نے اس خطاب میں کن لوگوں کو تنبیہ اور سرزنش فرمائی ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد اشعریین (یعنی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلہ

کے لوگ) ہیں، انہی کا یہ حال ہے کہ وہ فقہاء ہیں (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھتے ہیں) اور ان کے جوار میں پانی کے چشموں کے پاس رہنے بسنے والے اور ایسے بدوی لوگ ہیں جو بالکل اجڈ (اور دین سے بالکل ناواقف) ہیں۔

یہ ساری بات ''اشعریین'' کے علم میں آئی تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (معلوم ہوا ہے کہ) آپ ﷺ نے بعض گروہوں کا ذکر تعریف کے ساتھ فرمایا اور ہم لوگوں کی مذمت فرمائی، ہمارا کیا معاملہ (اور کیا قصور) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (میرا کہنا بس یہی ہے کہ دین کا علم وفہم رکھنے والے) لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ (دین نہ جاننے والے) اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کریں۔ اور جو دین کو نہیں جانتے ان کا فرض ہے کہ وہ (جاننے والے) اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہوا کریں اور دین کی سمجھ بوجھ ان سے حاصل کریں، یا پھر ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا۔

''اشعریین'' نے عرض کیا کہ کیا دوسرے لوگوں کے جرم اور کوتاہی کی بھی سزا ہم کو بھگتنا ہوگی؟ آپ ﷺ نے اس کے

جواب میں اپنی وہی بات دہرائی جو فرمائی تھی، اشعریوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے عرض کیا تھا کہ کیا دوسروں کی غفلت و کوتاہی کی سزا بھی ہم پائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہوں، وہ بھی (یعنی دین کے جاننے والے اگر نہ جاننے والے اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے میں کوتاہی کریں گے تو وہ اس کی بھی سزا پائیں گے) اشعریوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کو ایک سال کی مہلت دی جائے۔ تو آپ ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت اس کام کے لئے دے دی کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور وعظ و نصیحت سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں، اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ. (للطبرانی)

''لعنت ہوئی ہے بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریمؑ کی زبان سے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کیا اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے، وہ ایک دوسرے کو ان

برائیوں اور گناہوں سے نہیں روکتے تھے، جن کا وہ ارتکاب
کرتے تھے، برا تھا ان کا یہ فعل۔"

فائدہ

حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ کسی آبادی یا علاقے کے جو لوگ دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں ان کی یہ ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے کہ وہ اپنے قرب و جوار کے ان لوگوں کو جو دین سے ناواقف ہوں للہ فی اللہ دین سکھائیں، اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی دینی اصلاح و تربیت کی کوشش کرتے رہیں، اور اس تعلیمی خدمت کو اپنی زندگی کے پروگرام کا خاص جز بنائیں۔

اور دین کی واقفیت نہ رکھنے والے مسلمان اس کو اپنا فرض اور زندگی کی ضرورت سمجھیں کہ دین کے جاننے والوں سے رابطہ قائم کر کے دین سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں۔

آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں غفلت اور کوتاہی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا تھا۔

دینی تعلیم و تربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ کے اور بغیر کتاب اور کاغذ قلم کے اور بغیر کچھ لکھے پڑھے بھی

دین کا ضروری علم حاصل کرسکتا تھا۔ بلکہ اپنی محنت وصلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کرسکتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور اسی طرح تابعینؒ کی غالب اکثریت نے بھی علم دین اسی طرح حاصل کیا تھا، ان کا علم یقیناً ہمارے کتابی علم سے زیادہ گہرا اور قابل اعتماد تھا، ان کے بعد امت میں جو کچھ علم دین رہا ہے اور آج ہے وہ سب انہی کا ترکہ ہے۔

افسوس ہے کہ بعد میں امت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو امت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی فرد بھی دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا۔

اس نظام تعلیم کی یہ خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچہ میں ڈھلتی چلی جاتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ ''اشعریین'' کے وفد نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دے دی جائے، ہم اس مدت میں انشاء اللہ یہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے، آپ ﷺ نے ان کی یہ بات منظور فرمالی، یہ گویا اس علاقہ کی پوری آبادی کے لئے ''ایک سالہ تعلیمی منصوبہ'' تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر آج بھی ہر ملک اور ہر علاقے کے مسلمان خواص وعوام اس طریق کار کو اپنالیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس مقصد کے لئے جدوجہد کریں تو امت کے تمام طبقوں میں ایمانی زندگی اور ضروری درجہ کی دینی واقفیت عام ہوسکتی ہے۔

سلسلۂ کلام کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی جو دو آیتیں تلاوت فرمائیں، ان میں بیان فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں پر اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت ہوئی اور ان کی ملعونیت کا اعلان ہوا، ان کا ایک خاص جرم جو لعنت کا موجب ہوا یہ تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو گناہوں اور برائیوں سے روکنے کی اور ان کی دینی واخلاقی اصلاح کی کوئی فکر اور کوشش نہیں کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اللہ کی اور اس کے پیغمبروں کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں جو تنبیہ اور سرزنش فرمائی تھی یہ آیتیں اس کی قرآنی سند ہیں، آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرما کر گویا بتلایا کہ جو کچھ میں نے خطبہ میں کہا ہے اور جس پر مجھے اصرار ہے، یہ وہی ہے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی ان آیتوں میں فرمائی ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷)

آنحضرت ﷺ کے چار فرائض اور ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے چار کام بتائے:

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ.

قرآن کریم کی آیات کی تلاوت، چنانچہ پوری امت نے قرآن کریم آنحضرت ﷺ سے سیکھا اور آج تک آنحضرت ﷺ کا فیض ہے، یہ ہمارے محمد عربی ﷺ کا کام ہے، یہ شرف حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے عطا فرمایا کہ:

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِه.

قرآن کریم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اور اہل ایمان کو اس کی تعلیم فرماتے تھے۔

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِه.

ان کو قرآن کریم پڑھاتے تھے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت ابی ابن کعب، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، اور چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہ تھے، جنہوں نے قرآن کریم، رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یاد کیا تھا،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ.

تو الکتاب یہی قرآن مجید ہی ہے اور الحکمت سے کیا مراد ہے؟۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی الکتاب کے ساتھ الحکمۃ کا لفظ آیا ہے، وہاں الحکمۃ سے مراد آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں صحابہ کرام رضی اللہ

تعالیٰ عنہ قرآن کے قاری بھی بنے، کتاب اللہ کے معلم بھی بنے اور حدیث کے حافظ بھی بنے، پانچ لاکھ حدیثیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یاد تھیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قوتِ حافظہ

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے امتحان لینا چاہا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا، دس آدمیوں کو مقرر کر دیا حدیث ایک، سند دوسری اسکے ساتھ جوڑ دی، ایک صاحب نے دس حدیثیں پڑھیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ان احادیث کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: ''لا ادری'' مجھے پتہ نہیں، دوسرے نے اپنی دس حدیثیں پڑھیں، حدیث کوئی اور، سند کوئی اور، جب یہ سو احادیث ہو گئیں تو حضرت امام بخاریؒ پہلے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تو نے پہلی حدیث یہ پڑھی تھی، اس کی سند یہ پڑھی تھی، اس کی سند یہ نہیں ہے، حدیث صحیح ہے اسکی سند یہ نہیں ہے، دس کی دس احادیث کی تصحیح کر دی، پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے، پھر تیسرے کی طرف، غرضیکہ دس آدمیوں کی سو احادیث کو صحیح کر کے پڑھا اور ہر ایک کی صحیح سند بیان کی، لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح احادیث پڑھنے پر تعجب نہیں ہوا، ہمیں تعجب اس پر ہوا کہ غلط احادیث یاد رکھیں، ایک، دو، تین نہیں، بلکہ ایک سے لے کر سو تک اور واقعی بڑی بات ہے، تو یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا، تعلیم کتاب میں کتاب سے مراد ہے قرآن کریم اور تعلیم حکمت سے مراد ہے احادیث طیبہ۔

وَيُزَكِّيهِم.

یہ چوتھا کام تھا آنحضرت ﷺ کا، کہ ان کو پاک فرماتے تھے، ان کا تزکیہ فرماتے تھے۔

حضور ﷺ کے چاروں کاموں کو امت کے علماء وقراء نے سنبھالا

پہلا کام

پہلا کام قرآن مجید کی تلاوت، یہ قاریوں اور حافظوں نے لے لیا، الحمدللہ آنحضرت ﷺ کے وقت سے لیکر آج تک آنحضرت ﷺ کے اس عمل میں اضافہ ہوا ہے، کمی نہیں ہوئی، پوری دنیا میں یہ کام ہورہا ہے۔

دوسرا کام:

دوسرا کام کتاب اللہ کا علم، الحمدللہ اس کو فقہاء نے لے لیا، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم یہ حضرات قرآن کریم کے سمندر سے ایسے ایسے موتی نکال کر لائے کہ لوگوں کی عقلیں حیران ہوگئیں، اور آج بھی یہ کام بڑی تندہی کے ساتھ جاری ہے۔

تیسرا کام:

اور تیسری چیز تعلیم حکمت، یہ خدمت حضرات محدثین نے لے لی، ایک بہت بڑا مجمع ہے جو احادیث طیبہ کو یاد کرنے والا ہے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح بخاری ہی کو لیجئے کہ تقریباً بارہ سو صفحے تو اس کے ہیں، اور دو جلدوں میں ہے، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند احمد پہلے چھ

جلدوں میں چھپی تھی، اب دس جلدوں میں چھپی ہے، غرض یہ کہ حضرات محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی اس امانت کو سینے سے لگایا، آج بھی یہ کام جاری ہے۔

چوتھا کام:

اور چوتھا کام لوگوں کا تزکیہ کرنے والے، یہ کام حضرات صوفیاء نے لے لیا، ان حضرات نے کہا کہ اس خدمت کے لیے ہم حاضر ہیں، یہ چار منصب آنحضرت ﷺ کے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے تھے، ان کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا، کافروں نے بہت کوشش کی، انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ یہ علم مٹا دیا جائے، ہزار ہا نسخے قرآن مجید کے تلف کیے، لیکن دلوں سے کیسے کھرچ سکتے تھے؟ الحمدللہ رسول اللہ ﷺ کی امت کے بچوں میں سے، سات سال کے بچے قرآن کریم کے حافظ ہیں۔

فائدہ

بحمد اللہ امت کے یہ حضرات حضور ﷺ کے فریضے کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں اور اسے اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں، یہ سلسلہ قیامت تک ایسے ہی چلتا رہیگا۔

علماء کے حقوق وآداب

حضرت امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں حضرت

امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے، اس میں ایسے پاکیزہ کلمات ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے نگینے لگائے ہوئے ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال إن من حق العالم أن لا تكثر عليه السؤال ولا تعنتهفي الجواب ، وأن لا تلح عليه إذا أعرض ، ولا تأخذ بثوبه إذا كسل ، ولا تشير إليه بيدك ، وأن لا تغمزه بعينيك ، وأن لا تسأل في مجلسه وأن لا تطلب زلته وإن زل تأنيت أوبته وقبلت فيئته ، وأن لا تقول قال فلان خلاف قولك وأن لا تفشي له سرا ، وأن لا تغتاب عنده أحدا وأن تحفظه شاهدا وغائبا وأن تعم القوم بالسلام وأن تخصه بالتحية ، وأن تجلس بين يديه وإن كانت له حاجة سبقت القوم إلى خدمته وأن لا تمل من طول صحبته إنما هو كالنخلة تنتظر متى سيقط عليك منها منفعة ، وإن العالم بمنزلة الصائم المجاهد في سبيل الله ، فإذا مات العالم انثلمت في الاسلام ثلمة لا تسد إلى يوم القيامة وطالب العلم يشيعه

سبعون الفا من مقربی السماء".

(کنز العمال ج: ۱۰ حدیث: ۲۹۵۱۰)

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عالم کا حق یہ ہے کہ تم اس سے زیادہ سوال نہ کرو، تم اس کو جواب کیلئے مشقت میں نہ ڈالو، اگر وہ جواب نہ دینا چاہے تو اسے مجبور نہ کرو، اگر کبھی اسے کسل مندی ہو تو جواب کے لیے اس کا دامن نہ پکڑو، اس کی طرف ہاتھوں اور آنکھوں سے اشارے نہ کرو، اس کی مجلس میں (عاجز کرنے کیلئے) اس سے سوال نہ کرو، ان کی کوتاہیاں نہ تلاش کرو، اگر کبھی اس سے لغزش ہو جائے تو اس کے رجوع اور توبہ کو قبول کرو، یہ نہ کہو کہ فلاں آدمی تمہارے خلاف کہتا ہے، اس کا راز فاش نہ کرو، اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، اس کی موجودگی اور عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرو، جب کسی عالم کی مجلس میں جاؤ تو پہلے سب کو اور پھر خصوصیت سے اس کو سلام کرو، عالم کے سامنے بیٹھنے کی کوشش کرو، اگر عالم کو کسی کام اور خدمت کی ضرورت ہو تو سب سے پہلے بڑھ کر اس کی خدمت اور کام کو بجالاؤ، عالم کے پاس اتنی زیادہ دیر نہ بیٹھو کہ وہ اکتا جائے، اسی طرح اس کی صحبت میں زیادہ دیر بیٹھنے سے نہ اکتاؤ، عالم کی مثال کھجور کے درخت کی

سی ہے کہ جس سے کبھی پکی کھجوریں گرتی ہیں، تم بھی اس
انتظار میں رہو کہ اس سے علمی فوائد حاصل کرتے رہو، عالم کی
مثال اس مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے جو روزہ دار ہو، جب عالم
فوت ہوتا ہے تو اس کی موت سے اسلام میں ایسا رخنہ واقع
ہو جاتا ہے جو قیامت تک پُر نہیں ہوتا، اور طالب علم جب علم
حاصل کرنے کیلئے نکلتا ہے تو ستر ہزار مقرب فرشتے اس کی
مشائیت کے لیے ساتھ چلتے ہیں۔"

فائدہ

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ عالم کا حق یہ ہے کہ تم اس سے زیادہ سوال نہ کرو، یہ ادب کے خلاف ہے، جو بات پوچھنی ہو پوچھو، بلا دھڑک پوچھو لیکن فضول باتیں نہ کرو، اور تم عالم کو جواب دینے کے لیے مجبور بھی نہ کرو، جب عالم کی کسل مندی پائی جائے، کوئی سستی پائی جائے، طبیعت اچھی نہیں، یا وہ تھک گیا ہے، تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے تو اس کو تنگ نہ کرو، ہاتھوں کے ساتھ اشارے نہ کرو، آنکھوں کے ساتھ اشارے نہ کرو، کیونکہ کسی کی طرف اشارہ کرنا اور خاص طور پر آنکھوں کے ساتھ اشارے کرنا، یہ توہین کے زمرہ میں آ جاتا ہے اور توہین ٹھیک نہیں، کبھی مجلس میں بیٹھے ہوئے کوئی ایسی بات نہ کرو، کہ ہم اس سے بات پوچھیں گے تو وہ بتا نہیں سکے گا، پھنس جائے گا، کسی عالم کو پھانسنے کے لیے بات نہ کرو، اس سے استفادہ

کے لیے بات کرو، پھانسنے کیلئے نہیں اور عالم بے چارہ معصوم نہیں ہے، کبھی لغزش بھی ہوسکتی ہے، تو اگر کوئی ایسی بات کرے کہ جس میں اس سے لغزش ہوگئی ہو، تو توقع رکھو کہ یہ رجوع کرلے گا اور اس سے یہ نہ کہو کہ فلاں آدمی تو تمہارے خلاف کہتا ہے، یہ ہمارے یہاں رواج ہے، ہم کسی سے مسئلہ پوچھتے ہیں اس نے اپنی سمجھ کے مطابق بتادیا، اب ہم اس سے کہتے ہیں کہ فلاں تو اس کے خلاف کہتے تھے، میرے بھائی! اگر فلاں پر اعتماد تھا تو اسی سے پوچھ لیتے، پھر دوسرے آدمی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، کسی عالم کے بھید کو ظاہر نہ کرو، اس سے ایذا ہوتی ہے اور کسی عالم کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، یہ تو عام لوگوں میں بیماری پائی جاتی ہے ایسا نہ کرو، ہمیں تو مشغلہ چاہیے کہ کوئی عالم مل گیا، ہم اس کے پاس باتیں کرنے لگے کہ فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے، میاں اپنی فکر کرو، ہمارے سامنے اور تمہارے سامنے بڑے سخت سخت مرحلے آنے والے ہیں، ایک تو موت آنے والی ہے، پھر قبر آنے والی ہے، اس کے بعد حشر آنے والا ہے، حشر کا حساب وکتاب آنے والا ہے، اپنے قصے نہیں نمٹتے، دوسروں کے قصوں میں پڑے ہوتے ہیں، ذرا کسی وقت بیٹھ کر سوچا کرو کہ ہمارے سامنے کیا کیا آنے والا ہے؟ کبھی عالم سامنے موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا، اگر وہ موجود ہو جب بھی اور موجود نہ ہو جب بھی تم اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کرو۔

اور یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ کسی عالم کی مجلس میں جاؤ تو ایک تو جس

مجلس میں تم پہنچے ہو سب کو السلام علیکم کہو اور پھر ان کو خصوصیت کے ساتھ سلام کہو، عالم کے سامنے بیٹھنے کی کوشش کرو اور اس کوشش میں رہو کہ خدانخواستہ کوئی کام کی ضرورت پیش آجائے، تو اس کے لئے میں سب سے پہلے اس خدمت کو ادا کروں گا، اسی طرح زیادہ دیر بیٹھنا کہ جس سے وہ اکتا جائے یہ بھی نہ کیا کرو، اس کے پاس بیٹھو لیکن بس اتنا ہی جس سے وہ اکتا نہ جائے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کھجور کا درخت ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً اس سے پکی ہوئی کھجوریں گرتی رہتی ہیں، تو تم بھی ایسا کرو کہ کسی عالم کے پاس بیٹھو کہ تمہاری قسمت میں کتنے دانے آتے ہیں، حضرت یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ عالم کی مثال ایسی سمجھو کہ "**الصائم المجاهد**" یعنی اس نے روزہ بھی رکھا ہوا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کر رہا ہے، تو جیسے "**الصائم القائم**" اللہ کے راستے میں روزے رکھنے والے اور قیام کرنے والے اور جہاد کرنے والے کو اجر ملتا ہے، عالم کو بھی ایسا ہی اجر ملتا ہے ، اور یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ عالم آدمی جب انتقال کر جاتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ واقع ہو جاتا ہے کہ پُر نہیں ہوتا۔

میں نے اپنی زندگی میں جتنے بزرگوں کو دیکھا، وہ جب چلے گئے اور ان کے جانے سے جو جگہ خالی ہوئی وہ کبھی پُر نہیں ہوئی، اور ان کا بدل نہیں آیا ،صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے انحطاط کا دور شروع ہوا، کتنے کتنے آدمی گزرے ہیں لیکن ان کا بدل نہیں ملا، غرض یہ ہے کہ عالم کے انتقال

کر جانے سے ایک ایسا رخنہ واقع ہو جاتا ہے جو کبھی بھی پُر نہیں ہوتا اور آخر میں ارشاد فرمایا کہ یہ تو عالم تھا۔

طالبِ علم، علم طلب کرنے کیلئے گھر سے نکلتا ہے تو آسمان کے ستر ہزار مقرب فرشتے اس کی مشایعت کرتے ہیں۔

بہر حال حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت میں علماء کے فضائل اور آداب بیان فرمائے ہیں، ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے۔

علماء کی توہین سے بچیں!

عمرو بن عوف المزنی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اتقوا ذلة العالم ولا تقطعوه وانتظروا فیئته.

(مسند الفردوس للدیلمی جلد ۱ صفحه ۹۵، کنز العمال : ۲۸۶۸۲)

''حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی لغزش سے بچو، اور اس سے قطع تعلق مت کرو، اور اس کے لوٹ آنے کا انتظار کرو۔''

فائدہ

''عالم'' سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم، قرآن

کریم کا علم، حدیث کا علم، فقہ کا علم عطا فرمایا ہو، آپ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ فلاں کام گناہ ہے، اور آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک عالم اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور اس غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ پہلا کام تو یہ کریں کہ یہ ہرگز مت سوچیں کہ جب اتنا بڑا عالم یہ گناہ کا کام کر رہا ہے تو لاؤ میں بھی کرلوں، بلکہ اس عالم کی اس غلطی اور اس گناہ سے بچو، اور اس کو دیکھ کر خود اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔

گناہ کے کاموں میں علماء کی اتباع مت کرو

اس حدیث کے پہلے جملے میں ان لوگوں کی اصلاح فرما دی جن لوگوں کو جب کسی گناہ سے روکا جاتا ہے، اور منع کیا جاتا ہے کہ فلاں کام ناجائز اور گناہ ہے، یہ کام مت کرو، تو وہ لوگ بات ماننے اور سننے کے بجائے فوراً مثالیں دینا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں عالم بھی تو یہ کام کرتے ہیں۔ فلاں عالم نے فلاں وقت میں یہ کام کیا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قدم پر ہی اس استدلال کی جڑ کاٹ دی کہ تمہیں اس عالم کی غلطی کی پیروی نہیں کرنی ہے، بلکہ تمہیں اس کی صرف اچھائی کی پیروی کرنی ہے، وہ اگر گناہ کا کام یا کوئی غلط کام کر رہا ہے تو تمہارے دل میں یہ جرأت پیدا نہ ہو کہ جب وہ عالم یہ کام کر رہا ہے تو ہم بھی کریں گے۔ ذرا سوچو کہ اگر وہ عالم جہنم کے راستے پر جا رہا ہے تو کیا ہم بھی اس کے پیچھے جہنم کے راستے پر جائیں گے؟ وہ اگر آگ میں کود رہا ہے تو

کیا ہم بھی کود جائیں گے؟ ظاہر ہے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے، پھر کیا وجہ ہے کہ گناہ کے کام میں ہم اس کی اتباع کر رہے ہیں؟

عالم کا علم معتبر ہے اس کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ وہ عالم جو سچا اور صحیح معنی میں عالم ہو۔ اس کا فتویٰ تو معتبر ہے، اس کا زبان سے بتایا ہوا مسئلہ تو معتبر ہے، اس کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں۔ اگر وہ کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کام جائز ہے یا نہیں؟ وہ عالم یہی جواب دے گا کہ یہ عمل جائز نہیں۔

اس لئے اس کے بتائے ہوئے مسئلے کی اتباع کرو۔ اس کے عمل کی کی اتباع مت کرو۔ لہٰذا یہ کہنا کہ فلاں کام جب اتنے بڑے بڑے علماء کر رہے ہیں تو لاؤ میں بھی یہ کام کرلوں، یہ استدلال درست نہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ آگ میں کود رہے ہیں۔ لاؤ میں بھی آگ میں کود جاؤں۔

جیسے یہ طرز استدلال غلط ہے، اسی طرح وہ طرز استدلال بھی غلط ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے بچو یعنی اس کی لغزش کی اتباع مت کرو۔

عالم سے بدگمان نہ ہونا چاہئے

بعض لوگ دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ جب وہ کسی عالم کو کسی غلطی میں یا گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو بس فوراً اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اور

اس سے بدگمان ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، اور بعض اوقات اس کو بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ مولوی ایسے ہی ہوتے ہیں، اور پھر تمام علماء کرام کی توہین شروع کر دیتے ہیں کہ آج کل کے علماء تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی حدیث کے دوسرے جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تردید فرما دی کہ اگر کوئی عالم گناہ کا کام کر رہا ہے تو اس کی وجہ سے اس سے قطع تعلق بھی مت کرو۔

علماء بھی تمہاری طرح انسان ہی ہیں

عالم بھی ہماری طرح کے انسان ہے، جو گوشت پوست ہمارے پاس ہے، وہ اس کے پاس بھی ہے، وہ کوئی آسمان سے اترا ہوا فرشتہ نہیں ہے، جو جذبات ہمارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جذبات اس کے دل میں بھی پیدا ہوتے ہیں، نفس ہمارے پاس بھی ہے اس کے پاس بھی ہے۔ شیطان ہمارے پیچھے بھی لگا ہوا ہے، اس کے پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ نہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، نہ وہ پیغمبر ہے۔ اور نہ وہ فرشتہ ہے، بلکہ وہ بھی اسی دنیا کا باشندہ ہے، اور جن حالات سے ہم گزرتے ہیں۔ وہ بھی ان حالات سے گزرتا ہے۔ لہٰذا یہ ہم نے کہاں سے سمجھ لیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، اور اس سے کبھی غلطی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جب وہ انسان ہے تو بشری تقاضے سے کبھی اس سے غلطی بھی ہوگی۔ کبھی وہ گناہ بھی کرے گا۔ لہٰذا اس کے گناہ کرنے کی وجہ سے فوراً اس عالم سے

برگشتہ ہو جانا اور اس کی طرف سے بدگمان ہو جانا صحیح نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فوراً اس سے قطع تعلق مت کرو، بلکہ اس کے واپس آنے کا انتظار کرو، اس لئے کہ اس کے پاس علم صحیح موجود ہے۔ امید ہے کہ وہ انشاء اللہ کسی وقت لوٹ آئے گا۔

علماء کے حق میں دعا کیا کریں

اس عالم کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! فلاں شخص آپ کے دین کا حامل ہے اس کے ذریعہ ہمیں دین کا علم ہوتا ہے، یہ بے چارہ اس گناہ کی مصیبت میں پھنس گیا ہے، اے اللہ اس کو اپنی رحمت سے اس مصیبت سے نکال دیجئے۔ اس دعا کے کرنے سے تمہارا دُگنا فائدہ ہے۔ ایک دعا کرنے کا ثواب ملے گا۔ دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا ثواب۔

اور اگر ہماری یہ دعا قبول ہوگئی تو ہم اس عالم کی اصلاح کا سبب بن جائیں گے۔ پھر اس کے نتیجے میں وہ عالم جتنے نیک کام کرے گا وہ سب ہمارے اعمال نامہ میں بھی لکھے جائیں گے۔ لہٰذا بلاوجہ دوسروں سے یہ کہہ کر کسی عالم کو بدنام کرنا کہ فلاں بڑے عالم بنے پھرتے ہیں وہ تو یہ حرکت کر رہے تھے، اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

عالم بے عمل بھی قابلِ احترام ہے

ایک اہم بات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کو تو خود چاہئے کہ وہ باعمل ہو، لیکن اگر کوئی

عالم بے عمل بھی ہے تو بھی وہ عالم اپنے علم کی وجہ سے تمہارے لئے قابل احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا ہے، اس کا ایک مرتبہ ہے، اس مرتبہ کی وجہ سے وہ عالم قابل احترام بن گیا۔ جیسا کہ والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا.

(سورۃ لقمان: ۱۵)

اگر والدین کافر اور مشرک بھی ہوں تو کفر اور شرک میں تو ان کی بات مت مانو، لیکن دنیا کے اندر ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماں باپ ہونے کا جو شرف حاصل ہے۔ وہ بذات خود قابل تکریم اور قابل تعظیم ہے، ہمارے لئے ان کی اہانت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ایک عالم بے عمل بھی ہے تو اس کے حق میں دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو نیک عمل کی توفیق دے دے۔ لیکن اس کی بد عملی کی وجہ سے اس کی توہین مت کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ نرا علم کوئی چیز نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ لیکن یہ بھی فرماتے کہ میرا معمول یہ ہے کہ جب میرے پاس کوئی عالم آتا ہے تو اگرچہ اس کے بارے میں مجھے معلوم ہو کہ یہ فلاں غلطی کے اندر مبتلا ہے، اس کے باوجود اس کے علم کی وجہ سے اس کا اکرام کرتا ہوں، اور اس کی عزت کرتا ہوں۔

علماء سے تعلق قائم رکھو

لہٰذا یہ پروپیگنڈہ کرنا اور علماء کو بدنام کرتے پھرنا کہ ارے میاں آج کل کے مولوی سب ایسے ہی ہوتے ہیں، آج کل کے علماء کا تو یہ حال ہے.... یہ بھی موجودہ دور کا ایک فیشن بن گیا ہے۔ جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو یہ طرز عمل ہے ہی، اس لئے کہ ان کو معلوم ہے کہ جب تک مولوی اور علماء کو بدنام نہیں کریں گے، اس وقت تک ہم اس قوم کو گمراہ نہیں کر سکتے، جب علماء سے اس کا رشتہ توڑ دیں گے تو پھر یہ لوگ ہمارے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ہم جس طرح چاہیں گے، ان کو گمراہ کرتے پھریں گے۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جب گلہ بان سے بکریوں کا رشتہ توڑ دیا تو اب بھیڑیئے کے لئے آزادی ہوگئی کہ وہ جس طرح چاہے بکریوں کو پھاڑ کھائے۔ لہٰذا جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ علماء کو بدنام کیا جائے، لیکن جو لوگ دیندار ہیں ان کا بھی یہ فیشن بنتا جا رہا ہے کہ وہ بھی ہر وقت علماء کی توہین اور ان کی بے وقعتی کرتے پھرتے ہیں کہ ارے صاحب! علماء کا تو یہ حال ہے، ان لوگوں کی مجلسیں ان باتوں سے بھری ہوتی ہیں، حالانکہ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ جب لوگوں کو علماء سے بدظن کر دیا تو اب تمہیں شریعت کے احکام کون بتائے گا؟ اب تو شیطان ہی تمہیں شریعت کے مسائل بتائے گا کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، پھر تم اس کے پیچھے چلو گے، اور گمراہ ہو جاؤ گے۔

لہٰذا علماء اگرچہ بے عمل نظر آئیں، پھر بھی ان کی اس طرح توہین مت کیا کرو۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرو، جب تم ان کے حق میں دعا کرو گے تو علم تو اس کے پاس موجود ہے، تمہاری دعا کی برکت سے انشاء اللہ ایک دن وہ ضرور صحیح راستے پر لوٹ آئے گا۔

عالم کی مثال

عالم کی مثال آفتاب کی سی ہے اس کے طلوع ہوتے ہی نصف کرۂ زمین (پوری زمین کا آدھا حصہ) منور ہو جاتا ہے اور ظلمت بالکل جاتی رہتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیندار عالم ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے تابع بن جائے اس کی صفت یہ ہو کہ

لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ.

''اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے''۔

(دعوات عبدیت طریق النجاۃ ص ۱۲/۵۳)

علماء کے وجود سے دنیا قائم ہے

اس سے اس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آگیا ہوگا،

لاتقوم الساعة حتی لایقال فی الارض اللّٰہ اللّٰہ.

''جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے قیامت نہ آئے گی۔''

اور مختصر وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام طاعت ہے اور کفر بغاوت ہے تو دنیوی سلطنتوں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شہر میں باغی زیادہ ہوں تو شہر پر توپ خانہ لگادیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اگر یہی کرتے تو اکثر اوقات توپ لگے ہوتے۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے یہ قانون مقرر کیا کہ اگر کل باغی ہوں مگر صرف ایک غیر باغی ہو تو اس کی بدولت تمام عالم محفوظ رہے گا۔ ہاں جب بغاوت عام ہو جائے اس وقت پھر ہلاکت بھی عام ہو گی۔ (یعنی قیامت آجائے گی اور یہیں سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ بہت سے لوگ جن کو آپ حقیر سمجھتے ہیں وہ آپ کی بقاء کے سبب ہیں)۔ (دعوات عبدیت ضرورۃ العلماء ص:۸۳، ج/۱۱)

قومی ترقی کے لئے دینی تعلیم اور علماء کی قدر ضروری ہے

دینی تعلیم کا حصول ذریعہ ہے قومی ترقی کا، مگر ہم کو اب تک اس کی خبر نہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو عقلمند سمجھے ہوئے ہیں۔ تعلیم کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلوں میں ایسی ہے جیسے انجن کا پہیہ کہ اس کے چکر پر تمام گاڑیوں کو حرکت ہوتی ہے، اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہو جائے۔ مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا۔ درس و تدریس سب محکموں کی روح ہے خواہ تقریر ہو خواہ تحریر خواہ تصنیف سب اسی تعلیم کی فرع ہیں مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بیکار سمجھ رکھا ہے، عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے۔

(ضرورۃ العلماء دعوات عبدیت ص:۴۹، ج ۱۱)

علما کرام دنیوی فلاح کا بھی ذریعہ ہیں

دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء دنیا بھی سکھلاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تاریخ اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی دنیا دین کے ساتھ درست ہوتی ہے، یعنی جب ان کے دین میں ترقی ہوتی ہے تو دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے اور جب دین میں کوتاہی ہوتی ہے تو دنیا بھی خراب ہوجاتی ہے تو جب علماء دین سکھلاتے ہیں معاملات معاشرت اخلاق کو درست کرتے ہیں تو گویا علماء دنیا کی ترقی کی تدابیر بھی بتلاتے ہیں۔

علم وعمل کی سعادتیں اور برکتیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان تقویٰ کیسے اختیار کرے؟ اس کے لئے پہلا قدم علم کا حاصل کرنا ہے اور دوسرا قدم اس علم پر عمل کرنا ہے۔ یہ دونوں بڑی نعمتیں ہیں۔ دنیا جہاں کی سعادتوں کی کنجیاں علم وعمل کے اندر ہیں۔قرآن مجید میں جہاں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جن پر اللہ رب العزت نے خاص رحمتیں نازل کیں وہاں پر یہ بھی فرمادیا کہ یہ وہ لوگ ہیں:

مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ.(النساء : ۶۹)

''جو انبیاء،صدیقین،شہداء اور صالحین ہیں''۔

ان چار حضرات میں سے پہلے دو حضرات کی نسبت علم کے ساتھ زیادہ پکی ہے، کیونکہ انبیائے کرام اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام لے کر آئے اور صدیقین وہ ہیں جنہوں نے اس کی تصدیق کی۔ ان پر علم کی نسبت غالب ہے اور شہداء اور صالحین کی نسبت عمل کے ساتھ زیادہ پکی ہے اس آیت سے یہی معلوم ہوا کہ جہاں کی سعادتیں علم وعمل کے اندر موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ علم وعمل کی اہمیت پیدا فرمادے اور علماء کی قدر بھی ہمیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

مشروبات کے آداب اور احکام

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرملی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

پینے کا سنت طریقہ

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتشربوا واحداً کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنیٰ وثلٰث وسموا اذا انتم شربتم واحمدوا اذا انتم رفعتم. (رواه الترمذی)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو بلکہ دو دو یا تین تین سانس میں پیا کرو، اور جب تم پینے لگو تو بسم اللہ پڑھ کے پیو اور جب پی چکو اور برتن منہ سے ہٹاؤ تو اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرو۔“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا مالم نعلم والصّلٰوة علٰی افضل الرسل واکرم. وعلٰی آلہٖ وصحبه وبارک وسلم. اما بعد!

اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم

بسم الرحمٰن الرحیم

عن انس رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یتنفس فی الشراب ثلاثا یعنی یتنفس خارج الاناء. (مسلم، کتاب الاشربة)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پینے کی چیز (برتن سے منہ ہٹا کر) تین سانس میں پیتے تھے''۔

وعن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتشربوا واحداً

کشرب البعیر ،ولکن اشربوا مثنیٰ وثلاث ،وسموا اذا انتم شربتم ،واحمدوا اذا انتم رفعتم

ترمذی (کتاب الاشربة)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک دم (ایک ہی سانس میں) اونٹ کی مانند پانی نہ پیا کرو، بلکہ دو یا تین سانس میں پیا کرو اور جب پانی پینے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور جب پی چکو اور برتن منھ سے ہٹا لو تو الحمد للہ کہو (یعنی اللہ کی حمد اور اسکا شکر ادا کرو)''

آج کی نشست میں مشروبات کے آداب واحکام سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے اشیاءِ خورد ونوش کے بارے میں حلت وحرمت کے احکام بھی بیان فرمائے اور کھانے پینے کے آداب بھی بتلائے جن کا تعلق تہذیب وسلیقہ اور وقار سے ہے، یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر وشکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفسِ حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے، روحانی ونورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

یہاں وہ حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے

کھانے پینے کے آداب کی تلقین فرمائی ہے، ان حدیثوں میں ایسے اشارات موجود ہیں جن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان میں کھانے پینے کے جن آداب کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے ان کا درجہ استحباب اور استحسان کا ہے، اسلئے اگر اس پر عمل نہ ہوا تو کوئی گناہ کی بات نہ ہوگی، واللہ اعلم

پانی تین سانسوں میں پیا جائے

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یتنفس فی الشراب ثلثاً، (رواه البخاری، ومسلم) وزاد مسلم یقول انه اروی وابرأ وامرأ.

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پینے میں تین دفعہ سانس لیتے تھے۔''

''(اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اس طرح درمیان میں سانس لے لے کر پینے سے زیادہ سیرابی حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لئے زیادہ خوش گوار ہے۔)''

ایک سانس میں نہ پیا جائے

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتشربوا واحداً کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنیٰ وثلث وسموا اذا انتم شربتم

واحمدوا اذاانتم رفعتم ،(رواہ الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو بلکہ دودو یا تین تین سانس میں پیا کرو، اور جب تم پینے لگو تو بسم اللہ پڑھ کے پیو اور جب پی چکو اور برتن منہ سے ہٹاؤ تو اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرو۔''

فائدہ

پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پینے کی چیز کو، خواہ وہ پانی ہو، یا شربت ہو، اس کو تین سانس میں پیا کرتے تھے، پھر سانس لینے کی وضاحت آگے کر دی کہ پینے کے دوران برتن منہ سے ہٹا کر سانس لیا کرتے تھے۔

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، پینے کی کسی بھی چیز کو اونٹ کی طرح ایک ہی مرتبہ نہ پیا کرو، یعنی ایک ہی سانس میں ایک ہی مرتبہ غٹ غٹ کر کے پورا گلاس حلق میں انڈیل دو، یہ صحیح نہیں، اور اس عمل کو آپ نے اونٹ کے پینے سے تشبیہ دی، اس لئے کہ اونٹ کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ میں سارا پانی پی جاتا ہے، تم اس کی طرح مت پیو، بلکہ تم جب پانی پیو تو یا دو سانس میں پیو یا تین سانس میں پیو، اور جب پانی پینا شروع

کرو تو اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو، یہ نہیں کہ غٹ غٹ کر کے پانی حلق سے اتار لیا۔

ان احادیث میں حضور اقدس ﷺ نے پانی پینے کا ادب بتایا ہے، جس میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تین سانس میں پانی پیا جائے، اس معنیٰ میں جتنی احادیث حضور اقدس ﷺ سے مروی ہیں ان کی روشنی میں علماء کرام نے فرمایا کہ تین سانس میں پانی وغیرہ پینا افضل ہے، اور سنت کے زیادہ قریب ہے، لیکن دو سانس میں پانی پینا بھی جائز ہے، چار سانس میں پینا بھی جائز ہے، البتہ ایک سانس میں سارا پانی پی جانا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک سانس میں پینا طبّی طور پر بھی نقصان دہ ہے، واللہ اعلم۔

بہر حال، طبّی طور پر نقصان دہ ہو یا نہ ہو، مگر حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نے ایک سانس میں پانی پینے کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ حرمت والی ممانعت نہیں ہے، یعنی ایک سانس میں پانی پینا حرام نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ایک سانس میں پانی پی لے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔

حضور ﷺ کی مختلف شانیں

بات دراصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیثیت امت کیلئے مختلف شانیں رکھتی ہیں، ایک حیثیت آپ کی رسول کی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

احکام لوگوں تک پہنچانے والے ہیں اب اگر اس حیثیت سے آپ کسی کام سے ممانعت فرمادیں گے تو وہ کام حرام ہو جائے گا، اور اس کام کو کرنا گناہ ہوگا، اور ایک حیثیت آپ کی ایک شفیق رہنما کی ہے، لہٰذا اگر شفقت کی وجہ سے امت کو کسی کام سے منع فرماتے ہیں کہ یہ کام مت کرو، تو اس ممانعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں تمہارے لئے نقصان ہے، یہ اچھا اور پسندیدہ کام نہیں ہے، لیکن وہ کام حرام نہیں ہو جاتا، لہٰذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے گناہ کا کام کیا، یا حرام کام کیا، لیکن یہ کہا جائے گا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی منشا کے خلاف کام کیا، اور آپ کے پسندیدہ طریقے کے خلاف کیا، اور وہ شخص جس کے دل میں سرکار دو عالم ﷺ کی محبت ہو، وہ صرف حرام کاموں ہی کو نہیں چھوڑتا، بلکہ جو کام محبوب حقیقی کو ناپسند ہو، اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

سنت کے طریقہ پر پینا عبادت ہے

لہٰذا فقہی طور پر تو میں نے بتا دیا کہ ایک سانس میں پانی پینا حرام اور گناہ نہیں ہے، لیکن ایک محبّ صادق، جس کے دل میں سرکار دو عالم ﷺ کی محبت ہو، وہ تو ایسے کاموں کے قریب بھی نہیں جائے گا جو آپ کو پسند نہیں ہیں، لہٰذا جس کام کے بارے میں آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ کام پسندیدہ نہیں ہے، ایک مسلمان کو حتیٰ الامکان اس کے قریب نہیں جانا چاہیے، اور اس کو اختیار نہ کرنا چاہیے، اسی لیے علماء نے فرمایا کہ ایک

سانس میں پینا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے فرمایا مکروہ تنزیہی ہے ، لہٰذا کیوں خواہ مخواہ ایک سانس میں پی کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا جائے، پانی تو پینا ہی ہے، اس پانی کو اگر تین سانس میں اس نقطہ نظر سے پی لو کہ یہ حضور ﷺ کی سنت شریفہ ہے تو یہ پانی پینا تمہارے لئے عبادت بن گیا ، اور سنت کے انوار و برکات تمہیں حاصل ہو گئے ، اور چونکہ ہر سنت پر عمل کرنے سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے ، اس لئے اس وقت آپ کو اللہ کی محبت حاصل ہو گئی ، اللہ کے محبوب بن گئے ، ذرا سی توجہ سے اس پر اتنا بڑا اجر و ثواب حاصل ہو گیا ، اب کیوں بے پرواہی میں اس کو چھوڑ دیا جائے؟ لہٰذا اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔

مسلمان ہونے کی علامت

دیکھئے ، ہر ملت و مذہب کے کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں ، جس کے ذریعہ وہ ملت پہچانی جاتی ہے، یہ تین سانس میں پانی پینا بھی مسلمان کے شعار اور علامات میں سے ہے، چنانچہ بچپن سے بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ بیٹا! تین سانس میں پانی پیو، آجکل تو اس کا رواج ہی ختم ہو گیا کہ اگر بچہ کوئی عمل اسلامی آداب کے خلاف کر رہا ہے تو اس کو ٹوکا جائے کہ بیٹا! اس طرح کرو، اس طرح نہ کرو، بعض عشاق کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر پانی ایک گھونٹ ہوتا ہے تو سنت کی اتباع کے لئے اس ایک گھونٹ کو بھی تین سانس میں پیتے ہیں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اجر حاصل ہو جائے۔

پینے کے برتن میں نہ سانس لیا جائے نہ پھونکا جائے

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتنفس فی الاناء اوینفخ فیہ (رواہ ابوداؤد، وابن ماجہ)

''حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پینے کے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا۔''

منہ سے برتن ہٹا کر سانس لو

عن ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یتنفس فی الاناء (ترمذی کتاب الاشربۃ)

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے برتن کے اندر سانس لینے سے منع فرمایا۔''

فائدہ

یعنی ایک آدمی پانی پیتے ہوئے برتن کے اندر ہی سانس لے، اور سانس لیتے وقت برتن نہ ہٹائے، اس سے آپ نے منع فرمایا، ایک اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے پانی پیتے وقت

بار بار سانس لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، میں کس طرح سانس لیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ جس وقت سانس لینے کی ضرورت ہو، اس وقت جس گلاس یا پیالے کے ذریعہ تم پانی پی رہے ہو، اس کو اپنے منہ سے الگ کر کے سانس لیا کرو، اور پھنکارے مارنا ادب کے خلاف ہے، اور سنت کے خلاف ہے۔

ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب

سنتوں پر عمل کرنے کی نیت کرنا لوٹ کا مال ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک عمل کے اندر جتنی سنتوں کی نیت کر لو گے، اتنی سنتوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا، مثلاً پانی پیتے وقت یہ نیت کر لو کہ میں تین سانس میں پانی اس لئے پی رہا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ تین سانس میں پانی پینے کی تھی، اس سنت کا ثواب حاصل ہو گیا، اسی طرح یہ نیت کر لی کہ میں سانس لیتے وقت برتن کو اس لئے منہ سے ہٹا رہا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے، اب دوسری سنت پر عمل کا بھی ثواب حاصل ہو گیا، اس لئے سنتوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ آدمی جب کوئی عمل کرے تو ایک ہی عمل کے اندر جتنی سنتیں ہیں، ان سب کا دھیان اور خیال رکھے، اور ان کی نیت کرے تو پھر ہر ہر نیت کے ساتھ ان شاء اللہ مستقل سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

پانی خدائی نظام کا کرشمہ

اللہ تعالیٰ نے پانی کا سارا ذخیرہ سمندر میں جمع کر رکھا ہے، اور اس

سمندر کے پانی کو کھارا بنا دیا، اس کے لئے کہ اگر اس پانی کو میٹھا بناتے تو کچھ عرصے کے بعد یہ پانی سڑ کر خراب ہو جاتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے اندر ایسے نمکیات رکھے کہ روزانہ لاکھوں جانور اس میں مر جاتے ہیں، اس کے باوجود اس میں کوئی خرابی اور کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا، اس کا ذائقہ نہیں بدلتا، نہ اس کے اندر کوئی سڑان پیدا ہوتی ہے، پھر اگر تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب پانی کی ضرورت ہو تو سمندر سے حاصل کر لو، اور اس کو پی لو، تو انسان کے لئے کتنا دشوار ہو جاتا، اس لئے کہ اول تو ہر شخص کا سمندر تک پہنچنا مشکل ہے، اور دوسری طرف وہ پانی اتنا کھارا ہے کہ ایک گھونٹ بھی حلق سے اتارنا مشکل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ اس سمندر سے مون سون کے بادل اٹھائے، اور پھر عجیب قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس بادل کے اندر ایسی آٹومیٹک مشین لگی ہوئی ہے، کہ جب وہ بادل سمندر سے اٹھتا ہے تو اس پانی کی ساری نمکیات نیچے رہ جاتی ہیں، اور صرف میٹھا پانی اوپر اٹھ کر چلا جاتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا سال میں ایک مرتبہ بادلوں کے ذریعہ سارا پانی برسا دیتے، اور یہ فرماتے کہ تم یہ پانی اپنے پاس جمع کر لو، اور ذخیرہ کر لو، ہم صرف ایک مرتبہ بارش برسا دیں گے، تو اس صورت میں وہ برتن اور ٹنکیاں کہاں سے لاتے جن کے اندر تم اتنا پانی جمع کر لیتے جو تمہارے سال بھر کے لیے کافی ہو جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فاسکنه فی الارض (سورۃ المومنون:۱۸)

یعنی ہم نے پہلے سے پانی برسایا، اور پھر اس کو زمین کے اندر بٹھا دیا، اور جمع کر دیا، اس کو اس طرح بٹھا دیا کہ پہلے پہاڑوں پر برسایا، اور پھر اس کو برف کی شکل میں وہاں جما دیا، اور تمہارے لئے وہاں ایک قدرتی فریزر بنا دیا، اب پہاڑ کی چوٹیوں پر تمہارے لئے پانی محفوظ ہے، اور ضرورت کے وقت وہ پانی پگھل پگھل کر دریاؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف خطوں میں پہنچ رہا ہے، اور پھر دریاؤں سے نہریں اور ندیاں نکالیں، اور دوسری طرف زمین کی رگوں کے ذریعہ کنوؤں تک پانی پہنچا دیا، لہذا اب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ذخیرہ بھی موجود ہے، اور سپلائی لائن بھی موجود ہے، اور اس سپلائی لائن کے ذریعہ ایک ایک آدمی تک پانی پہنچ رہا ہے، اب اگر ساری دنیا کے سائنس دان اور انجینئر مل کر بھی اس طرح پانی کی سپلائی کا انتظام کرنا چاہتے تو انتظام نہیں کر سکتے تھے، لہذا جب پانی پیو تو ذرا غور کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ذریعہ یہ پانی کا گلاس تم تک پہنچایا، اور اسی بات کی طرف یاد دہانی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ جب پانی پیو تو بسم اللہ کر کے پانی پیو، اور جب پانی پی چکو تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو۔

پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی

بادشاہ ہارون رشید ایک مرتبہ شکار کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہے تھے، گھومتے گھومتے راستہ بھٹک گئے، اور زادراہ ختم ہو گیا، اور پیاس سے

بیتاب ہوگئے ، چلتے چلتے ایک جھونپڑی نظر آئی وہاں پہنچے ،وہاں جا کر جھونپڑی والے سے کہا ذرا پانی پلادو،وہ کہیں سے پانی لایا،اور ہارون رشید نے پینا چاہا تو اس شخص نے کہا: امیرالمومنین ،ذرا ایک لمحے کے لیے ٹھہر جائیے ، پہلے یہ بتائیں کہ یہ پانی جو اس وقت میں آپ کو دے رہا ہوں،بالفرض یہ پانی نہ ملتا،اور پیاس اتنی ہی شدید ہوتی جتنی اس وقت ہے ،تو بتایئے اس ایک گلاس پانی کی کیا قیمت لگاتے ، اور اس کے حاصل کرنے پر کتنی رقم خرچ کر دیتے؟ ہارون رشید نے کہا کہ یہ پیاس تو ایسی چیز ہے کہ اگر انسان کو پانی نہ ملے تو اس کی وجہ سے بیتاب ہوجاتا ہے،اور مرنے کے قریب ہوجاتا ہے، اس لئے میں ایک گلاس پانی حاصل کرنے کی خاطر اپنی آدھی سلطنت دے دیتا، اس کے بعد اس نے کہا کہ اب آپ اس پانی کو پی لیں ،ہارون رشید نے پانی پی لیا،اس کے بعد اس شخص نے ہارون رشید سے کہا:

امیرالمومنین !ایک سوال کا اور جواب دیں ، انہوں نے پوچھا کیا سوال ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ابھی آپ نے جو ایک گلاس پانی پیا ہے، اگر یہ پانی آپ کے جسم کے اندر رہ جائے ، اور خارج نہ ہو، پیشاب نہ آئے ،تو پھر اس کو خارج کرنے کے لئے کیا کچھ خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ یہ تو پہلی مصیبت سے بھی زیادہ بڑی مصیبت ہے کہ پانی اندر جا کر خارج نہ ہو، اور پیشاب بند ہوجائے ،اس کو خارج کرنے کے لئے بھی میں آدھی سلطنت دے دیتا، اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ آپ کی پوری سلطنت کی قیمت صرف ایک گلاس پانی کا اندر لے جانا اور اس کو باہر لانا ہے،

اور یہ پانی پینے اور اس کو باہر نکالنے کی نعمت صبح سے شام تک کئی مرتبہ آپ کو حاصل ہوتی ہے، کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے۔

اس لئے یہ جو کہا جارہا ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر پانی پیو، اس سے اسی کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ یہ پانی کا گلاس جو تم پی رہے ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، اور اس توجہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس پانی پینے کو تمہارے لئے عبادت بنادیں گے۔

حضور ﷺ کو ٹھنڈا میٹھا پانی مرغوب تھا

عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان احب الشراب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحلو البارد
(رواہ الترمذی)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو پینے میں ٹھنڈا میٹھا پانی محبوب ومرغوب تھا''

حضور ﷺ کے لئے میٹھے پانی کا اہتمام

عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستعذب لہ الماء من بیوت السقیا۔ (رواہ ابوداؤد)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ کے لئے ''بیوت سقیا'' سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔''

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ یہ مقام (بیوت سقیا) جہاں سے حضور ﷺ کیلئے یہ میٹھا پانی لایا جاتا تھا، مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھا۔

(سنن ابی داؤد)

فائدہ

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مشروبات میں ٹھنڈے میٹھے کی رغبت، یا اسی طرح کھانے پینے کی کسی اچھی چیز کی رغبت جو فطرتِ سلیم کا تقاضہ ہے، مقام زہد کے منافی نہیں ہے اور للّٰہی تعلق و محبت کی بنا پر اس کا اہتمام کرنا سعادت ہے۔

ٹھنڈا پانی، ایک عظیم نعمت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ نے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ سے فرمایا کہ: میاں اشرف علی! جب بھی پانی پیو، تو ٹھنڈا پیو، تا کہ روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے، اس لئے کہ جب مومن آدمی ٹھنڈا پانی پیے گا تو اس کے روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے گا، شاید یہی وجہ ہو کہ حضور اقدس ﷺ کے ایک ارشاد میں آپ کی چند پسندیدہ چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک ٹھنڈا پانی بھی ہے۔

چنانچہ روایات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ آپ کے لئے کسی خاص کھانے

کا اہتمام کیا جا رہا ہو، لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا، جس کا نام تھا ''بیر غرس'' اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا تھا، اس کنویں کا پانی خاص طور پر آپ کے لئے لایا جاتا تھا اور آپ نے وصیت بھی فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد مجھے غسل بھی اسی کنویں کے پانی سے دیا جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اسی ''بیر غرس'' کے پانی سے غسل دیا گیا، اس کنویں کے آثار اب بھی باقی ہیں، مگر پانی خشک ہو چکا ہے، آپ ٹھنڈے پانی کا اہتمام اس لئے فرماتے تھے کہ جب آدمی ٹھنڈا پانی پیے گا تو رُوئیں رُوئیں سے اللہ کا شکر نکلے گا۔

کھانے پینے و دیگر چیزوں کی تقسیم دائیں طرف سے کریں

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلبن قد شیب بماء، وعن یمینہ اعرابی، وعن یسارہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فشرب، ثم اعطی الاعرابی، وقال الایمن فالایمن۔

(ترمذی، کتاب الاشربہ)

اس حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ایک اور عظیم ادب بیان فرمایا ہے، اور یہ ادب بھی امت مسلمہ کی علامات میں سے ہے، اور اس ادب کے حوالہ سے بھی ہمارے معاشرے میں بڑی غفلت پائی جا رہی ہے، وہ ادب اس حدیث میں ایک واقعہ کے اندر بیان فرما دیا، وہ یہ کہ ایک

صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دودھ لے کر آئے، اور اس دودھ میں پانی ملا ہوا تھا، یہ پانی ملانا کوئی ملاوٹ کی غرض سے اور دودھ بڑھانے کی غرض سے نہیں تھا، بلکہ اہل عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ خالص دودھ اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا پانی ملا ہوا دودھ مفید ہوتا ہے، اس لئے وہ صاحب دودھ میں پانی ملا کر حضور ﷺ کی خدمت میں لائے تھے، آنحضرت ﷺ نے اس دودھ میں سے کچھ پیا، جو دودھ باقی بچا، آپ نے چاہا کہ حاضرین کو پلا دیں، اس وقت آپ کے داہنی جانب ایک اعرابی یعنی دیہات کا رہنے والا بیٹھا تھا، جس کو بدو بھی کہتے ہیں، اور آپ کے بائیں جانب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ دائیں طرف بیٹھے ہوئے اعرابی کو پہلے عطا فرما دیا، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں دیا، اور آپ نے ساتھ میں فرمایا ''**الایمن فالایمن**'' یعنی جو آدمی داہنی طرف بیٹھا ہو، پہلے اس کا حق ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس ترتیب کا اتنا خیال فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر ان سے زیادہ افضل انسان پیدا نہیں ہوا، جن کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صدیق'' وہ انسان ہوتا ہے کہ اگر نبی کسی آئینے کے سامنے

کھڑے ہوں، تو یہ جو کھڑے ہوئے انسان ہیں، یہ تو نبی ہیں، اور آئینہ میں ان کا عکس نظر آرہا ہے، وہ ''صدیق'' ہیں، گویا کہ 'صدیق'' وہ ہے جو نبوت کا پورا عکس اور پوری چھاپ لئے ہوئے ہو، اور جو صحیح معنی میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہو، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ انسان ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری پوری زندگی کے تمام اعمال خیر مجھ سے لے لیں، اور اس کے بدلے میں وہ ایک رات جو انہوں نے ہجرت کے موقع پر غار کے اندر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ گزاری تھی، وہ مجھے دے دیں، تو بھی سستا سودا رہے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، لیکن اس بلند مقام کے باوجود حضور اقدس ﷺ نے تقسیم کے وقت دودھ کا پیالہ اعرابی کو دے دیا ،ان کو نہیں دیا، اور فرمایا: ''الایمن فالایمن'' یعنی تقسیم کے وقت داہنی جانب والا مقدم ہے، بائیں جانب والا مؤخر ہے۔

داہنی جانب باعث برکت ہے

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ اصول سکھا دیا کہ اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں، اور کوئی چیز تقسیم کرنی مقصود ہو، مثلاً پانی پلانا ہو، یا کھانے کی کوئی چیز تقسیم کرنی ہو، یا چھوارے تقسیم کرنے ہو، اس میں ادب یہ ہے کہ دائیں جانب والوں کو دے، اور پھر بائیں جانب تقسیم کرے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دائیں جانب کو بہت اہمیت دی ہے، دائیں

جانب کو عربی زبان میں ''یمین'' کہتے ہیں، اور ''یمین'' کے معنی عربی زبان میں مبارک کے بھی ہوتے ہیں، اس لئے دائیں جانب سے کام کرنے میں برکت ہے، اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ سے پانی پیو، دایاں جوتا پہلے پہنو، چلنے میں راستے کے دائیں جانب چلو، یہاں تک کہ جب حضور اقدس ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو پہلے دائیں جانب کے بالوں میں کنگھی کرتے، پھر بائیں جانب کرتے، دائیں کا اتنا اہتمام فرماتے، لہٰذا دائیں جانب سے ہر کام شروع کرنے میں برکت بھی اور سنت بھی ہے۔

داہنی جانب کا اہتمام ایک اور واقعہ پڑھئے

ایک اور حدیث میں یہی مضمون آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز لائی گئی، آپ نے اس میں سے کچھ پی لی، کچھ بچ گئی، اس وقت مجلس میں دائیں جانب ایک نوعمر لڑکا بیٹھا تھا، اور بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، جو عمر میں بھی بڑے تھے، علم اور تجربہ میں بھی زیادہ تھے، اب حضور ﷺ نے سوچا کہ ادب اور اصول کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ پینے کی چیز اس چھوٹے لڑکے کو دے دی جائے، لیکن بائیں جانب بڑے بڑے حضرات بیٹھے ہیں، ان کے درجے اور مرتبے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو ترجیح دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس نوجوان لڑکے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں

،اب حق تو تمہارا بنتا ہے کہ تمہیں دیا جائے، اس لئے کہ تم دائیں جانب ہو، لیکن بائیں جانب تمہارے بڑے بیٹھے ہیں، اگر تم اجازت دو تو میں ان کو دے دوں؟ وہ لڑکا بھی بڑا سمجھدار تھا، اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اگر کوئی اور چیز ہوتی تو میں ضرور ان بڑوں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتا، لیکن یہ آپ کا بچا ہوا ہے، اور آپ کے بچے ہوئے پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، لہٰذا اگر میرا حق بنتا ہے تو آپ مجھے ہی عطا فرمائیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے وہ چیز اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے فرمایا کہ لو، تم ہی پی لو، یہ نوجوان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ (مسلم)

دیکھئے، حضور اقدس ﷺ نے دائیں جانب کا اتنا اہتمام فرمایا، حالانکہ بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اور خود آپ کی بھی یہ خواہش کہ یہ چیز ان بڑوں کو مل جائے، لیکن آپ نے اس قاعدے اور اس اصول کے خلاف نہیں کیا کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اب دن رات ہمارے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، مثلاً گھر میں لوگ بیٹھے ہیں ان کے درمیان کوئی چیز تقسیم کرنی ہے، یا مثلاً دسترخوان پر برتن لگاتے ہیں، یا کھانا تقسیم کرنا ہے، اس میں اگر ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ دائیں جانب سے شروع کریں، اور حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی نیت کرلیں، پھر دیکھیں اس میں کتنی برکت اور کتنا نور معلوم ہوگا۔

بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینا

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اختناث الاسقیۃ یعنی ان تکسر افواھھا ویشرب منھا

(مسلم : کتاب الاشربۃ)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ مشکیزوں کا منہ کاٹ کر پھر اس سے منہ لگا کر پانی پیا جائے، اس زمانے میں پانی بڑے بڑے مشکیزوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا، جیسے آجکل بڑے بڑے گیلن اور کین ہوتے ہیں، ان سے منہ لگا کر پانی پینے سے آپ نے منع فرمایا''

ممانعت کی دو وجہ

علماء نے فرمایا کہ اس ممانعت کی دو وجہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس مشکیزے یا گیلن کے اندر بڑی مقدار میں پانی بھرا ہوا ہے، ہوسکتا ہے کہ پانی کے اندر کوئی نقصان دہ چیز پڑی ہوئی ہو، جس کی وجہ سے وہ پانی خراب ہو گیا ہو، یا نقصان دہ ہوگیا ہو، جیسے بعض اوقات کوئی جانور یا کیڑا وغیرہ اندر گر کر پانی میں مرجاتا ہے، اب نظر تو نہیں آرہا ہے کہ اندر کیا ہے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ منہ لگا کر پانی پینے کے نتیجے میں کوئی خطرناک چیز حلق میں نہ

چلی جائے، یا پانی ناپاک اور نجس نہ ہوگیا ہو، اس لئے آپ نے اس طرح منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔

اور دوسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی جب آدمی اتنے بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پیے گا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک دم سے بہت سا پانی منہ میں آجائے، اور اس کے نتیجے میں اچھو لگ جائے، پھندا لگ جائے، یا کوئی اور تکلیف ہو جائے، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

حضور کی اپنی امت پر شفقت

لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ جن باتوں سے منع فرماتے ہیں، ان میں سے بعض باتیں تو وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ ہوتی ہیں، اور بعض باتیں وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ تو نہیں ہوتی، لیکن حضور اقدس ﷺ ہم پر شفقت کرتے ہوئے اور ادب سکھاتے ہوئے اس سے منع فرماتے ہیں، اور جس کام کو آپ شفقت کی وجہ سے منع فرماتے ہیں، وہ کام حرام اور گناہ نہیں ہوتا، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھار زندگی میں آپ ﷺ اس کام کو کر کے بھی دکھا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کام حرام اور ناجائز نہیں ہے، لیکن ادب کے خلاف ہے، چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک دو مرتبہ مشکیزے سے منہ لگا کر بھی پانی پیا، علماء نے فرمایا کہ ان تمام برتنوں کا بھی یہی حکم ہے، جو بڑے ہوں، اور ان میں زیادہ مقدار میں پانی آتا ہو، جیسے بڑا کنستر ہے، یا مٹکا ہے، ان

سے بھی منہ لگا کر پانی نہیں پینا چاہیے، البتہ ضرورت داعی ہو جائے تو الگ ہے، چنانچہ اگلی حدیث میں اس کی وضاحت آ رہی ہے۔

مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا

وعن ام ثابت کبشة بنت ثابت ،اخت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وعنہا قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشرب من فی قربة معلقة قائما ،فقمت الی فیها ، فقطعته

(ترمذی ، کتاب الاشربة)

''حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہا ، جو حضرت حسان بنت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں ، وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے ، ہمارے گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، آپ نے کھڑے ہو کر اس مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا۔''

فائدہ

اس عمل کے ذریعہ آپ ﷺ نے بتا دیا کہ اس طرح مشکیزہ سے منہ لگا کر پینا کوئی حرام نہیں ہے۔

حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ چلے گئے تو میں کھڑی ہوئی، اور مشکیزے کے جس حصے سے منہ لگا کر آپ نے پانی پیا تھا، اس حصے کو کاٹ کر وہ چمڑا اپنے پاس رکھ لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ جس کو چھولیں

صحابہ کرام میں ایک ایک صحابی حضور ﷺ کے جاں نثار، عاشق زار، فدا کار تھا، ایسے فداکار اور جاں نثار کسی اور ہستی کے نہیں مل سکتے، جیسے کہ آپ نے اوپر دیکھا کہ حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس مشکیزہ کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا، اور فرمایا کہ یہ وہ چمڑا ہے جس کو نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کے مبارک ہونٹ چھوئے ہیں، اور آئندہ کسی اور کے ہونٹ اس کو نہیں چھونے چاہئیں، اور اب یہ چمڑا اس لئے نہیں ہے کہ اس کو مشکیزے کے طور پر استعمال کیا جائے، یہ تو تبرک کے طور پر رکھنے کے قابل ہے، اس لئے اس کو کاٹ کر تبرک کے طور پر اپنے گھر میں رکھ لیا۔

یہ بال متبرک ہوگئے جس کو حضور ﷺ کے ہاتھ نے چھولیا

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو حضور اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ کا موذن مقرر فرمایا تھا، جس وقت یہ مسلمان ہوئے تھے، اس وقت یہ چھوٹے بچے تھے، اور حضور اقدس ﷺ نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا، جس طرح چھوٹے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر سرکار دو عالم ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تھا، ساری عمر اس جگہ کے بال نہیں کٹوائے، اور فرماتے تھے کہ یہ وہ بال ہیں جس کو سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک نے چھوئے ہیں۔

تبرکات کی حیثیت

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھنا، یا آپ کے صحابہ کرام، تابعین، بزرگان دین، اور اولیاء کرام کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں، آجکل اس بارے میں لوگوں کے درمیان افراط وتفریط پایا جاتا ہے، بعض لوگ ان تبرکات سے بہت چڑھتے ہیں، اگر ذرا سی تبرک کے طور پر کوئی چیز رکھ لی، تو ان کے نزدیک وہ شرک ہوگیا، اور بعض لوگ وہ ہیں جو تبرکات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، حالانکہ حق ان دونوں کے درمیان میں ہے، نہ تو انسان یہ کرے کہ تبرک کو شرک کا ذریعہ بنالے، اور نہ ہی تبرک کا ایسا انکار کرے کہ بے ادبی تک پہنچ جائے، جس چیز کو اللہ والوں کے ساتھ نسبت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکتیں نازل فرماتے ہیں، ایک واقعہ تو آپ نے ابھی سن لیا کہ حضور اقدس ﷺ نے مشکیزے کی جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا تھا، ان صحابیہ نے اس کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔

حضور ﷺ کے متبرک دراہم

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے چاندی کے درہم عطا فرمائے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دراہم کو ساری عمر خرچ نہ کیا، اور فرماتے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے عطا فرمودہ

ہیں، وہ اٹھا کر رکھ دیے، حتیٰ کہ اولاد کو وصیت کر گئے کہ یہ دراہم حضور ﷺ کے عطا کردہ ہیں، ان کو خرچ مت کرنا، بلکہ تبرک کے طور پر ان کو گھر میں رکھنا، چنانچہ ایک عرصہ دراز تک وہ دراہم ان کے خاندان میں چلتے رہے، ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہے، حتیٰ کہ کسی ہنگامے کے موقع پر وہ ضائع ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک پسینہ

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک صحابیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ ایک جگہ سو رہے ہیں، گرمی کا موسم تھا، اور عرب میں گرمی بہت سخت پڑتی تھی، اس لئے حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک سے پسینہ بہہ کر زمین پر گر رہا تھا، چنانچہ میں نے ایک شیشی لاکر آپ کا مبارک پسینہ اس میں محفوظ کر لیا، فرماتی ہیں کہ وہ پسینہ اتنا خوشبودار تھا کہ مشک و زعفران اس کے آگے ہیچ تھے، اور پھر میں نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا، اور جب گھر میں خوشبو استعمال کرتی تو اس میں سے تھوڑا پسینہ شامل کر لیتی، اور ایک عرصہ دراز تک میں نے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔

حضور ﷺ کے مبارک بال

ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہیں سے حضور اقدس ﷺ کے بال مل گئے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان بالوں کو ایک شیشی کے اندر ڈال کر اس میں پانی بھر دیا، اور پھر جب قبیلے میں کوئی بیمار ہوتا، تو اس پانی کا ایک قطرہ

دوسرے پانی ملا کر اس بیمار کو پلا دیتے، تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے۔

بہر حال، صحابہ کرام نے اس طریقے سے حضور اقدس ﷺ کے تبرکات کا احترام کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تبرکات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں جس جس جگہ پر ایسی منزل آتی، جہاں حضور اقدس ﷺ نے گزرتے ہوئے کبھی قیام فرمایا تھا، تو وہاں میں اترتا، اور دو رکعت نفل ادا کر لیتا، اور پھر آگے روانہ ہوتا۔

بہر حال، اس طرح صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ کی سنت اور آپ کے تبرکات کو باقی رکھنے اور محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام فرمایا، لیکن حضرات صحابہ کرام تبرکات کی حقیقت سے بھی واقف تھے اور تبرکات میں غلو، مبالغہ، یا افراط یا تفریط کا ان سے کوئی امکان نہیں تھا، ایسا نہیں تھا کہ انہی تبرکات کو وہ سب کچھ سمجھ بیٹھتے، انہی کو مشکل کشا یا حاجت روا سمجھ بیٹھتے، یا ان تبرکات کو شرک کا ذریعہ بنا لیتے یا ان تبرکات کی پرستش شروع کر دیتے۔

بت پرستی کی ابتدا

عرب میں بت پرستی کا رواج بھی در حقیقت ان تبرکات میں غلو کے نتیجے میں شروع ہوا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ

علیہا السلام نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس قیام کیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں پر پلے بڑھے، جوان ہوئے، اور پھر بنی جرہم کے لوگ وہاں آکر آباد ہوگئے، جس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ کی بستی آباد ہوگئی، بعد میں بنی جرہم کی ایک دوسرے قبیلے والوں سے لڑائی ہوگئی، لڑائی کے نتیجے میں دوسرے قبیلے والوں نے بنی جرہم کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا، چنانچہ بنی جرہم کے لوگ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے، جب ہجرت کر کے جانے لگے تو یادگار کے طور پر کسی نے مکہ مکرمہ کی مٹی اٹھالی، کسی نے پتھر اٹھالئے، کسی نے بیت اللہ کے آس پاس کی کوئی اور چیز اٹھالی، تاکہ یہ چیزیں ہم اپنے پاس تبرک اور یادگار کے طور پر رکھیں گے، اور ان کو دیکھ کر ہم بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کو یاد کریں گے، جب دوسرے علاقے میں جاکر قیام کیا تو وہاں پر بڑے اہتمام سے ان تبرکات کی حفاظت کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ جب پرانے لوگ رخصت ہوگئے، اور کوئی صحیح راستہ بتانے والا باقی نہ رہا تو بعد کے لوگوں نے رفتہ رفتہ اس مٹی اور پتھروں سے کچھ صورتیں بنالیں، اور وہ صورتیں بتوں کی شکل میں تیار ہوگئیں، اور پھر انہی کی پرستش شروع کردی، اہل عرب کے اندر یہیں سے بت پرستی کا آغاز ہوا۔

تبرکات میں اعتدال ضروری ہے

بہرحال! اللہ تعالیٰ بچائے، آمین، اگر ان تبرکات کا احترام حد کے اندر نہ ہو تو پھر شرک اور بت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اس لئے تبرکات

کے معاملے میں بڑے اعتدال کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے، نہ تو ان کی بے ادبی ہو اور نہ ہی ایسی تعظیم جس کے نتیجے میں انسان شرک میں مبتلا ہو جائے، یا شرک کی سرحدوں کو چھونے لگے، تبرکات کی حقیقت یہ ہے کہ برکت کے لئے اس کو اپنے پاس رکھ لے، اس لئے کہ جب ایک چیز کو کسی بزرگ کے ساتھ نسبت ہوگی تو اس نسبت کی بھی قدر کرنی چاہیے، اس نسبت کی تعظیم اور ادب کرنا چاہیے، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں مدینہ منورہ کے ساتھ نسبت رکھنے والے کتے کا بھی احترام کرتا ہوں، اس لئے کہ اس کتے کو حضور اقدس ﷺ کے شہر کے ساتھ نسبت حاصل ہے، یہ سب عشق کی باتیں ہوتی ہیں، کہ محبوب کے ساتھ کسی چیز کو ذرا سی بھی نسبت ہوگئی تو اس کا ادب اور احترام کیا، اور جب نسبت کی وجہ سے کوئی شخص تعظیم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں کہ اس نے میرے محبوب کی نسبت کی بھی قدر کی، بشرطیکہ حدود میں رہے، حد سے آگے نہ بڑھے، یہ بات بھی ہمیشہ سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے، اس لئے کہ لوگ بکثرت افراط و تفریط کی باتیں کرتے ہیں، اور اس کی وجہ سے پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اعتدال میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بیٹھ کر پانی پینا سنت ہے

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی ان یشرب الرجل قائماً.

(مسلم کتاب الاشربہ)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔''

اس حدیث کی بنیاد پر علماء نے فرمایا ہے کہ حتی الامکان کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہیے، اور حضور اقدس ﷺ کی سنت شریفہ یعنی عام عادت یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پانی پیتے تھے، اس لئے کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، مکروہ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند فرمایا، اگرچہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی گناہ نہیں، حرام نہیں، لیکن خلاف ادب اور خلاف اولیٰ ہے، اور حضور اقدس ﷺ کا ناپسندیدہ ہے۔

کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے کسی چیز سے منع فرمایا، جبکہ وہ چیز حرام اور گناہ بھی نہیں ہے، تو ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ لوگوں کو بتانے کے لئے کبھی کبھار خود بھی وہ عمل کر کے دکھا دیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ عمل گناہ اور حرام نہیں ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے کئی مرتبہ

کھڑے ہو کر پانی پینا بھی ثابت ہے، ابھی میں نے آپ کو حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشکیزے سے پانی پینے کا واقعہ سنایا، وہ مشکیزہ دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، اور آپ نے کھڑے ہو کر منہ لگا کر اس سے پانی پیا، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے، ایسے موقع پر اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلاکراہت جائز ہے، اور بعض اوقات آپ نے صرف یہ بتانے کے لئے کھڑے ہو کر پانی پیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے، چنانچہ حضرت نزال بن سبرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "باب الرحبۃ" میں تشریف لائے، "باب الرحبۃ" کوفہ کے اندر ایک جگہ کا نام ہے، وہاں کھڑے ہو کر آپ نے پانی پیا، اور فرمایا کہ:

انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کما رأیتمونی فعلت

(صحیح البخاری، کتاب الاشربۃ)

"یعنی میں نے حضور اقدس ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پانی پی رہا ہوں۔"

بہر حال! کبھی کبھی حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پی کر یہ بتا دیا کہ یہ عمل گناہ نہیں۔

بیٹھ کر پینے کی عادت ڈالئے

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جس کی تعلیم دی، اور جس کی تاکید فرمائی، اور جس پر ساری عمر عمل فرمایا، وہ یہ تھا کہ حتی الامکان بیٹھ کر ہی پانی پیتے تھے، اس لئے یہ بیٹھ کر پانی پینا حضور اقدس ﷺ کی اہم سنتوں میں سے ہے، اور جو شخص اس کا جتنا اہتمام کرے گا، انشاء اللہ اس پر اس کو اجر و ثواب اور اس کی فضیلت اور برکات حاصل ہوں گی، اس لئے خود بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے، اور دوسروں سے بھی اس کا اہتمام کرانا چاہیے، اپنے گھر والوں کو بتانا چاہیے، اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینی چاہیے، اور بچوں کے دل میں بات بٹھانی چاہیے جب بھی پانی پیو تو بیٹھ کر پیو۔

اگر انسان اس کی عادت ڈال لے تو مفت کا ثواب حاصل ہو جائے گا، اس لئے کہ اس عمل میں کوئی خاص محنت اور مشقت ہے نہیں، اگر آپ پانی کھڑے ہو کر پانی پینے کے بجائے بیٹھ کر پی لیں تو اس میں کیا حرج اور کیا مشقت لازم آجائے گی؟ لیکن جب سنت کی اتباع کی نیت کر کے پانی بیٹھ کر پی لیا تو اتباع سنت کا عظیم اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا۔

زمزم کا پانی کس طرح پیا جائے؟

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال سقیت النبی صلی الله علیه وسلم من زمزم، فشرب وهو قائم.

(صحیح البخاری: کتاب الاشربة)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو زمزم کا پانی پلایا، تو آپ نے کھڑے ہو کر وہ زمزم پیا۔''

فائدہ

اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا افضل اور بہتر ہے، چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ دو پانی ایسے ہیں جو کھڑے ہو کر پینے چاہئیں، ایک زمزم کا پانی، اور ایک وضو کا بچا ہوا پانی، اس لئے کہ وضو سے بچا ہوا پانی پینا بھی مستحب ہے، لیکن دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ یہ دونوں پانی بھی بیٹھ کر پینے چاہئیں، جہاں تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ اس میں حضور اقدس ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو زمزم کا کنواں، اور دوسرے اس پر لوگوں کا ہجوم، اور پھر کنویں کے چاروں طرف کیچڑ، قریب میں کہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر ہی پینا افضل ہے

زمزم کا پانی بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے، اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی

بھی بیٹھ کر پینا افضل ہے، البتہ عذر کے مواقع پر جس طرح عام پانی کھڑے ہوکر پینا جائز ہے، اسی طرح زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہوکر پینا جائز ہے، عام طور پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ اچھے خاصے بیٹھے ہوئے تھے، لیکن جب زمزم کا پانی دیا گیا تو ایک دم سے کھڑے ہوگئے، اور کھڑے ہوکر اس کو پیا، اتنا اہتمام کرکے کھڑے ہوکر پینے کی ضرورت نہیں، بلکہ بیٹھ کر پینا چاہیے، وہی افضل ہے۔

کھڑے ہوکر کھانا ایک برا عمل

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم انه نهی ان یشرب الرجل قائماً قال قتادة فقلنا لانس فالاکل؟ قال ذلک اشر او اخبث (صحیح مسلم : کتاب الاشربة)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کھڑے ہوکر کھانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہوکر کھانا تو اس سے بھی زیادہ برا اور اس سے بھی زیادہ خبیث عمل ہے۔"

فائدہ

یعنی کھڑے ہو کر پانی پینے کے مقابلے میں کھڑے ہو کر کھانا اس سے زیادہ برا طریقہ ہے، چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر بعض علماء نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پینا تو مکروہ تنزیہی ہے، اور کھڑے ہو کر کھانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، اس لئے کہ کھڑے ہو کر کھانے کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ خبیث اور برا طریقہ فرمایا۔

کھڑے ہو کر کھانے سے بچئے

بعض لوگ کھڑے ہو کر کھانے کے جواز پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں چلتے ہوئے بھی کھا لیتے تھے، اور کھڑے ہو کر پانی پی لیتے تھے، یہ حدیث لوگوں کو بہت یاد رہتی ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کھڑے ہو کر کھا لیتے تھے تو ہمیں کھڑے ہو کر کھانے سے کیوں منع کیا جا رہا ہے؟ خوب سمجھ لیں ابھی آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سن لی کہ کھڑے ہو کر کھانا زیادہ خبیث اور برا طریقہ ہے، یعنی ایسا کرنا ناجائز ہے، اس حدیث سے مراد وہ کھانا ہے جو باقاعدہ کھائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا جہاں تک تعلق، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جس کو باقاعدہ بیٹھ کر دستر خوان بچھا کر نہیں کھایا جاتا، بلکہ کوئی چھوٹی سی معمولی سی چیز ہے، مثلاً

چاکلیٹ ہے، یا چھوارا ہے، یا بادام وغیرہ ہے یا کوئی پھل چکھنے کے طور پر کھالیا، اس میں چلتے پھرتے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جہاں تک دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے کا تعلق ہے کہ ان کو کھڑے ہوکر کھانا، اور کھڑے ہوکر کھانے کا باقاعدہ اہتمام کرنا کسی طرح جائز نہیں، آجکل کی دعوتوں میں کھڑے ہوکر کھانے کا طریقہ عام ہوتا جارہا ہے، اس سے بچنا چاہیے، اس لئے کہ یہ انسانوں کا طریقہ نہیں، بلکہ جانوروں کا طریقہ ہے، یہ تو چرنے کا طریقہ ہے، کھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے، کبھی ادھر چرلیا، کبھی ادھر چرلیا، اور پھر اس طریقے میں بے تہذیبی ہے، ناشائستگی بھی ہے، اور مہمانوں کی بھی بے عزتی ہے، خدا کے لئے اس طریقے کو چھوڑنے کی فکر کریں، ذرا سا اہتمام کی ضرورت ہے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے یا کسی سنت پر عمل کرنے کا خیال آئے، تو اس ''خیال'' کو صوفیاء کرام ''وارد'' کہتے ہیں اور ''وارد'' اللہ کی طرف بھیجا ہوا مہمان ہے پانی آیا اور آپ نے پینے کا ارادہ کیا پھر دل میں خیال آیا کہ کھڑے ہوکر پانی پینا اچھا نہیں ہے، سنت کے خلاف ہے، بیٹھ کر پانی پینا چاہیے، اگر آپ نے اس خیال اور ''وارد'' کا اکرام کرتے ہوئے بیٹھ کر پانی پی لیا تو یہ مہمان بار بار آئے گا، آج اس نے تمہیں بٹھا

کر پانی پلا دیا تو کل کو کسی اور سنت پر عمل کرائے گا، پرسوں کسی اور نیکی پر عمل کرائے گا، اس طرح یہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کراتا چلا جائے گا، لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس مہمان کی ناقدری کی، مثلاً پانی پیتے وقت بیٹھ کر پانی پینے کا خیال آیا تو تم نے فوراً اس خیال کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ بیٹھ کر پانی پینا کونسا فرض وواجب ہے، کھڑے ہو کر پینا گناہ تو ہے نہیں، چلو کھڑے کھڑے پانی پی لو، اب تم نے اس مہمان کی ناقدری کی، اور اس کو واپس بھیج دیا، اور اگر چند مرتبہ تم نے اس کی اس طرح ناقدری کی تو پھر یہ آنا بند کر دے گا، اور جب یہ مہمان آنا بند کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سیاہ ہو گیا ہے، اور دل پر مہر لگ گئی ہے، جس کے نتیجے میں اب نیکی کا خیال بھی نہیں آتا، بلکہ بدی اور گناہ کے خیالات آتے ہیں، اس لئے جب کبھی اتباع سنت کا خیال آئے تو فوراً اس پر عمل کرلو، شروع شروع میں تھوڑی تکلیف ہوگی، لیکن آہستہ آہستہ جب عادت پڑ جائے گی، تو پھر آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

سلام اور مصافحہ کے آداب

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرملی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

سلام افضل ترین نیک عمل ہے

عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه ان رجلاً سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم ای الاسلام خیر؟ قال تطعم الطعام تقرئ السلام علی من عرفت و من لم تعرف. (رواه البخاری و المسلم)

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) کیا چیز (اور کون سا عمل) زیادہ اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا: (ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور (دوسرے) یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو) اس کو بھی سلام کرو۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا مالم نعلم
والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم. وعلٰی آلہٖ
وصحبه وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یاایها الذین امنوا لا تدخلو بیوتا غیر بیوتکم حتی
تستأنسوا وتسلموا علی اهلها ذلکم خیر لکم لعلکم
تذکرون (سورۃ النور آیت ۲۶)

''اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اس
وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ اُنسیت حاصل نہ کرلو، اوران
گھروں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے
تاکہ تم نصیحت حاصل کرلو۔''

عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم أعبدوا الرحمن واطعموا الطعام وافشوا السلام، تدخلوا الجنة بسلام

(رواه الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگان خدا کو کھانا کھلاؤ، اور سلام کو خوب پھیلاؤ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے سلامتی کے ساتھ۔''

تحیّہ اسلام، سلام ہے

آج کی نشست میں سلام اور مصافحہ سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبہء اکرام و خیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس و مسرور کرنے کے لئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں ملاقات کے وقت ''نمستے'' کہتے ہیں، کچھ پرانے قسم کے کم پڑھے لکھوں کو ''رام رام'' کہتے ہوئے بھی سنا ہے۔ یورپ کے لوگوں میں صبح کی ملاقات کے وقت ''گڈ مارننگ'' (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے وقت ''گڈ ایوننگ'' (اچھی شام) اور رات کی ملاقات میں ''گڈ نائٹ''، (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی

بعثت کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

سنن ابی داؤد میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی عمر ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ: ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں

انعمہ اللہ بک عینا.

''خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے۔''

اور

انعم صباحاً.

''تمہاری صبح خوشگوار ہو۔''

کہا کرتے تھے۔ جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی، یعنی اس کے بجائے ہمیں ''السلام علیکم'' کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام وخیر اندیشی کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جا سکتا...... ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے، یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کے لئے شفقت اور مرحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور

بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے، اور پھر ''السلام'' اسماءِ الٰہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے...... ارشاد ہوا ہے:

سلامٌ علیٰ نوحٍ فی العالمین، سلامٌ علیٰ ابراهیم، سلامٌ علیٰ موسیٰ و هارون، سلامٌ علیٰ الیاسین، سلامٌ علیٰ علی المرسلین، سلامٌ علیٰ عباده الذین اصطفیٰ.

اور اہل ایمان کو حکم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں:

السلام علیک ایها النبی...... الخ

اور ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ: جب ہمارے وہ بندے آپ کے پاس آئیں جو ایمان لاچکے ہیں، تو آپ ان سے کہیں کہ:

سلام علیکم کتب ربکم علی نفسه الرحمه.

''السلام علیکم! تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرمادیا ہے۔''

اور آخرت میں داخلہ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان سے فرمایا جائیگا:

اُدخلوها بسلام .

اور

سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.

الغرض ملاقات کے وقت کے لئے ''السلام علیکم'' سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا.......... اگر ملنے والے پہلے سے باہم متعارف اور شناسا ہیں اور ان میں محبت و اخوت یا قرابت کے قسم کا کوئی تعلق ہے تو اس کلمہ میں اس تعلق اور اس کی بنا پر محبت و مسرت اور اکرام و خیر اندیشی کا پورا اظہار ہے۔ اور اگر پہلے سے کوئی تعارف اور تعلق نہیں ہے، تو یہ کلمہ ہی تعلق و اعتماد اور خیر سگالی کا وسیلہ بنتا ہے اور اس کے ذریعہ ہر ایک دوسرے کو گویا اطمینان دلاتا ہے کہ میں تمہارا خیر اندیش اور دعا گو ہوں اور میرے اور تمہارے درمیان ایک روحانی رشتہ اور تعلق ہے۔

بہرحال ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' اور ''وعلیکم السلام'' کی تعلیم رسول اللہ ﷺ کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے اور یہ اسلام کا شعار ہے اور اسی لئے آپ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں...... اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث پڑھئے:

سلام جنت میں دخول کا پروانہ ہے

عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اعبدوا الرحمن

واطعموا الطعام وافشوا السلام تدخلوا الجنة بسلام.

(رواه الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے سلامتی کیساتھ۔''

فائدہ

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے اور ان کے کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے: ایک خداوند رحمٰن کی عبادت (یعنی بندے پر اللہ کا جو خاص حق ہے اور جو دراصل مقصد تخلیق ہے کہ اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اس کو ادا کیا جائے) دوسرے اطعام طعام یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ اخلاص ومحبت کے کھانا کھلایا جائے (جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت والفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، اور بخل جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہے)

تیسرے ''السلام علیکم'' اور ''وعلیکم السلام'' کو جو اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمایا ہوا دعائیہ کلمہ ہے اس کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسا رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی فضا اس کی لہروں سے معمور رہے..........ان تین نیک کاموں پر رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی:

تدخلوا الجنة بسلام.

''تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

سلام افضل ترین نیک عمل ہے

عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه ان رجلاً سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم ای الاسلام خیر؟ قال تطعم الطعام و تقرئ السلام علی من عرفت و من لم تعرف. (رواه البخاری)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ'' حضرت اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) کیا چیز (اور کون سا عمل) زیادہ اچھا ہے؟'' آپ نے فرمایا: (ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور (دوسرے) یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو) اس کو بھی سلام کرو۔''

فائدہ

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی اعمال میں اطعام طعام اور سلام کو خیر اور بہتر قرار دیا ہے بعض دوسری حدیثوں میں (جو گزر بھی چکی ہیں) دوسرے بعض اعمال صالحہ کو مثلاً ذکر اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کو یا الدین کی خدمت و اطاعت کو ''خیر اعمال'' اور ''افضل اعمال'' قرار دیا گیا ہے لیکن

جیسا کہ اسی سلسلہ میں بار بار واضح کیا جا چکا ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کا یہ فرق دراصل پوچھنے والوں کی حالت و ضرورت اور موقع محل کے فرق کے لحاظ سے ہے، اور اسلامی نظام حیات میں ان سب ہی اعمال کو مختلف جہتوں سے خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔

سلام محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتدخلوا الجنة حتّٰى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتّٰى تحابوا، ولا ادلكم على شىءٍ اذا فعلتموه تحاببتم، افشو السلام بينكم. (رواه مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جا سکتے تاوقتیکہ پورے مومن نہ ہو جاؤ (اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہو جائے (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔''

فائدہ

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلہ جنت کی

بشارت اور وعدہ ہے، وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ اہل ایمان کی باہمی محبت ومودت بھی اس کی لازمی شرط ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبت ومودت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی ظہور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں روح ہو، نماز، روزہ، حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ اسلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بنا پر صحیح جذبہ سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت نکلنے اور محبت ومودت کا رس پیدا ہو جانے کا یہ بہترین وسیلہ ہیں۔ لیکن آج ہمارا ہر عمل بے روح ہے۔

سلام کرنے کا فائدہ

دیکھئے: اگر آپ نے کسی سے ملاقات کے وقت ''ہیلو'' کہہ دیا تو آپ کے اس لفظ سے اس کو کیا فائدہ ہوا؟ دنیا کا کوئی فائدہ ہوا؟ نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہوا؟ ظاہر ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن اگر آپ نے ملاقات کے وقت یہ الفاظ کہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جس کا ترجمہ یہ ہیکہ ''تم پر سلامتی ہو'' اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں'' تو ان الفاظ سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ نے ملاقات کرنے والے کو تین دعائیں دیدیں، ...... اور اگر

آپ نے کسی کو "گڈ مارننگ" یا "گڈ ایوننگ" کہا یعنی صبح بخیر، شام بخیر، تو اگر اس کو دعاء کے معنی پر بھی محمول کرلیں تو اس صورت میں آپ نے جو اس کو دعاء دی، وہ صرف صبح اور شام کی حد تک محدود ہے کہ تمہاری صبح اچھی ہوجائے، یا تمہاری شام اچھی ہوجائے...... لیکن اسلام نے ہمیں جو کلمہ سکھایا، وہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی کسی مخلص مسلمان کا سلام اور دعاء ہمارے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے تو انشاء اللہ ساری گندگی ہم سے دور ہوجائے گی اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہوجائے گی۔ یہ نعمت آپ کو دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملے گی۔

سلام کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور وہ فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو۔ اور وہ فرشتے جو جواب دیں اس کو سننا، اس لئے کہ وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جاکر سلام کیا "السلام علیکم" تو فرشتوں نے جواب میں کہا: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" چنانچہ فرشتوں نے لفظ "رحمۃ اللہ" بڑھا کر جواب دیا۔

(صحیح بخاری)

یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح عطا فرمائی۔ اگر ذرا غور کریں تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حد و حساب ہی نہیں۔ اب اس سے زیادہ ہماری

بدنصیبی کیا ہوگی کہ اس اعلیٰ ترین کلمے کو چھوڑ کر ہم اپنے بچوں کو "گڈ مارننگ" اور "گڈ ایوننگ" سکھائیں۔ اور دوسری قوموں کی نقالی کریں۔ اس سے زیادہ ناقدری اور ناشکری اور محرومی اور کیا ہوگی۔

سلام کا اجر و ثواب، الفاظ کی کمی و زیادتی کے ساتھ

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیکم فرد علیہ ثم جلس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر، ثم جاء آخر فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرد علیہ فجلس فقال عشرون ثم جاء آخر فقال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فرد علیہ فجلس فقال ثلاثون ...... رواہ الترمذی و ابوداؤد.

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "السلام علیکم" آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "دس (یعنی اس بندے کے لئے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا،

پھر وہ آدمی بیٹھ گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: بیس (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا آدمی آیا اس نے کہا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: (یعنی اس کے لئے تیس نیکیاں ثابت ہوگئیں)۔''

سلام کرنے میں ترتیب

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسلم الصغیر علی الکبیر والمار علی القاعد، والقلیل علی الکثیر (رواہ البخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ: چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے، اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں۔''

''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار آدمی کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے)۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ جب ایک چھوٹے اور بڑے کی ملاقات ہو تو

چھوٹے کو چاہئے کہ وہ پیش قدمی کر کے بڑے کو سلام کرے۔ اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہئے کہ وہ سلام میں پیش قدمی کرے اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبتاً کم آدمی ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرے اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیش قدمی کر کے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت کی حکمت ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے اس لئے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خاکساری کا اظہار کرے۔

مسلمانوں پر مسلمانوں کے چھ حقوق

عن ابی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حق المسلم على المسلم ست قيل ماهن يا رسول الله قال اذا لقيته فسلم عليه واذا دعاك فاجبه واذا استنصحك فانصح له واذا عطس فحمد الله فشمته واذا مرض فعده واذا مات فاتبعه. (رواه مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان

پر چھ (خاص حق ہیں اول یہ کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے، دوسرے جب وہ مدعو کرے تو اس کی دعوت قبول کرے (بشرطیکہ کوئی شرعی عذر اور مانع نہ ہو) تیسرے جب وہ نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب ہو تو اس سے دریغ نہ کرے۔ چوتھے جب اس کو چھینک آئے، اور وہ ''الحمد اللہ'' کہے تو یہ اس کو ''یرحمک اللہ'' کہے (جو دعائیہ کلمہ ہے) پانچویں جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ چھٹے جب وہ انتقال کر جائے، تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔''

فائدہ

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے پہلا حق یہ بتلایا ہے کہ ملاقات ہو تو سلام کرے، یعنی ''السلام علیکم'' کہے۔

سلام کو بار بار کرنے کا حکم

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال اذا لقی احدكم اخاه فليسلم عليه فان حالت بينهما شجرة او جدار او حجر ثم لقيه فليسلم عليه. (رواه ابو داؤد)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کی اپنے

کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (اور تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر سامنا ہو، تو پھر سلام کرے۔"

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اس کا جواب دے، اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور شریعت اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

گھر والوں کو سلام کرنا خیر و برکت کا ذریعہ

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا بنی اذا دخلت علی اھلک فسلم یکون برکۃ علیک وعلی اھل بیتک (رواہ الترمذی)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹا! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو، یہ تمہارے لئے بھی باعث برکت ہوگا، اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی۔"

گھر میں یا مجلس میں آؤ جاؤ تو سلام کرو

عن قتادة رحمه الله تعالیٰ قال قال النبی صلی الله علیه وسلم اذا دخلتم بیتاً فسلموا علی اهله واذا خرجتم فاودعوا اهله بسلام.

(رواه البیهقی فی شعبت الایمان)

"حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو وداعی سلام کر کے نکلو۔"

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا تنهیٰ احدکم الی مجلس فلیسلم فان بداله ان یجلس فلیجلس ثم اذا قام فلیسلم فلیست الاولی باحق من الاخره.

(رواه الترمذی)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو چاہیئے کہ (اولاً اہل مجلس کو سلام کرے، پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے اور پہلا سلام بعد والے سلام سے اعلیٰ اور بالا

نہیں ہے۔ (یعنی بعد والے رخصتی سلام کا بھی وہی درجہ ہے
جو پہلے سلام کا ہے، اس سے کچھ کم نہیں)۔"

قطع تعلق کرنے والوں میں بہتر وہ شخص ہے جو ابتداء بالسلام کرے

عن ابی ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایحل لامرئ مسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث فیلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام.

(الادب المفرد)

"حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد قطع تعلق کرے کہ دونوں کی ملاقات ہو تو ایک دوسرے سے منہ موڑ لے اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔"

فائدہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی دنیاوی غرض سے کسی مسلمان سے تین دن سے زائد انقطاع جائز نہیں ہے اگر قطع کلامی کرلیا تو اس کی تلافی کی صورت یہی ہے کہ ملاقات ہو جائے تو فوراً سلام کرے، اور جو پہلے سلام کرے گا وہ حکم شرعی کے اتباع کی وجہ سے دوسرے سے بہتر ہوگا، اور یہ

مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ایک دوسرے کو ملاقات کے وقت سلام کرتا رہے اگر چہ بات چیت نہ کرے اس کو قطع کلامی نہیں کہا جائے گا، یہی سلام کی فضیلت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کے لئے تین دن سے زیادہ ترک کلامی جائز نہیں، جب تین دن گزر جائے بس اب بے حیائی کی انتہاء ہوگئی، اب ان پر شرعاً لازم ہے کہ آپس میں سلام کلام کریں، اگر ایک نے سلام کیا اور دوسرے نے جواب دیدیا تو دونوں گناہ سے بری اور ثواب میں شریک ہوں گے، ورنہ سلام کرنے والا تو گناہ سے بری ہو جائے گا اور جواب نہ دینے والا مجرم اور گناہ گار رہے گا۔ (بخاری و مسلم)

سلام میں پہل کرنا قرب خداوندی کا ذریعہ

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اولی الناس باللہ من بدأ بالسلام. (مشکوٰۃ)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لوگوں میں اللہ کے قریب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہلے کرے۔''

سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے

عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال البادی بالسلام بریء من الکبر. (راه البیهقی فی شعب الایمان)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔''

فائدہ

یعنی سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ اس بندے کے دل میں تکبر نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے جو بدترین اخلاقِ رذیلہ میں سے ہے جس پر احادیث میں عذاب نار کی وعید ہے۔ اللہم احفظنا!...... اس کے بعد چند وہ حدیثیں پڑھیے جن میں خاص خاص موقعوں پر سلام کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا کافی ہے

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا جاء احدکم المجلس فلیسلم فان بدا له ان یجلس فلیجلس واذا قام فلیسلم ما الاولیٰ باحق من

الاخرة. (الادب المفرد)

''جب تم میں سے کوئی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے پھر جب چلنے لگے تو دوبارہ سلام کرے اسلئے کہ پہلے سلام کو دوسرے سلام پر کوئی فضیلت نہیں۔''

فائدہ

اگر مجلس میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ اور ایک شخص اس مجلس میں آئے، تو وہ آنے والا شخص ایک مرتبہ سب کو سلام کرلے تو یہ کافی ہے اور مجلس میں سے ایک شخص اس کے سلام کا جواب دیدے تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کو علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

سلام کے وقت سونے والوں کی رعایت ضروری ہے

عن مقداد بن الاسود رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث طویل قال فیجیء رسول الله صلی الله علیه وسلم من اللیل فیسلم تسلیما لایوقظ النائم ویسمع الیقظان. الحدیث

''حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ اس

طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ
جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے۔''

فائدہ

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کے سلام سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے، یا اس طرح کی کوئی دوسری اذیت اللہ کے کسی بندے کو نہ پہنچ جائے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ ایذاء رسانی سے بچنا چاہیے خصوصاً عبادت کرتے ہوئے ہر ایسے طریقے سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے دکھلایا، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مسجد میں لوگ دوسری عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں آ کر زور سے سلام کرتے ہیں، حالانکہ اس طرح سلام کرنا درست نہیں، اسی طرح بہت سے مسجد میں زور سے تلاوت کرتے ہیں جس سے دوسروں کی نماز واذکار وغیرہ میں خلل آتا ہے، اسی طرح بہت سے لوگ تہجد کیلئے اٹھتے ہیں تو زور زور سے تلاوت کرتے ہیں جس سے دوسروں کی نیند میں خلل آتا ہے، یہ سب طریقے درست نہیں ہیں جس سے بچنا اشد ضروری ہے۔

سلام کا جواب دینا راستے پر بیٹھنے کا حق ہے

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال
رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم لاخير فی

الجلوس فی الطرقات الا لمن ھدی السبیل ورد السلام وغض البصر واعان الحمولۃ. (مشکوٰۃ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ راستے پر بیٹھنا کوئی اچھا کام نہیں (اس میں کوئی بھلائی نہیں) ہاں جو شخص راستے بھولے ہوئے کو راستہ بتلائے سلام کا جواب دے (حرام چیزوں کو دیکھنے سے) آنکھیں بند رکھے، اور اس شخص کی مدد کرے جو بوجھ لادے ہوئے ہو تو ایسے شخص کا راستے میں بیٹھنا گوارہ ہے۔''

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب دینا راستہ کے حقوق میں سے ہے لہذا اس حق کی ادائیگی کا خوب خیال کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حقوق ہماری گردن پر رہ جائیں، یعنی سرراہ بیٹھنا مجلس جمانا یہ کوئی اچھی بات نہیں، تاہم کسی ضرورت یا بلاضرورت کوئی بیٹھ جائے تو اس پر حق ہے کہ گذرنے والوں کے سلام کا جواب دے، اسی طرح اگر کوئی بوجھ اٹھا کر لے جارہا ہے، اس کے لیے اٹھانا بھاری ہورہا ہے تو اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

اجازت کیلئے سلام کرنے کا طریقہ

عن ربعی بن خراش قال حدثنا رجلٌ من بنی

عامر انه استاذن على النبى صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لخادمه اخرج الى هذا فعلمه الاستيذان فقل له قل السلام عليكم أألج فسمعه الرجل فقل السلام عليكم أأدخل فاذن النبى صلى الله عليه وسلم فدخل . (ابو داؤد)

''جناب ربعی بن خراش کہتے ہیں کہ ہم سے بنی عامر کے ایک شخص نے حدیث بیان کی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے دروازے پر گئے اور اندر جانے کے لئے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا ''أ أَلِج'' کیا میں اندر آ سکتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جاؤ اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتاؤ اسے کہو پہلے سلام کرے پھر کہے میں اندر آ سکتا ہوں یہ کلمات اس نے بھی سن لئے اور ''السلام علیکم'' کہہ کر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، وہ اندر آیا۔''

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے گھر میں یا اس کی خصوصی جگہ میں داخل ہونے کیلئے اجازت لے کر داخل ہونا چاہیے اور اجازت لینے کا صحیح

طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلام کیا جائے پھر اجازت مانگی جائے اگر اجازت ملتی ہے تو داخل ہو ورنہ واپس جائے۔

اجازت لینے کیلئے تین دفعہ سلام کیا جائے

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یرید سعد بن عبادۃ حتیٰ اتاہ فسلم فلم یؤذن لہ ثم سلم الثانیۃ ثم سلم الثالثۃ فلم یؤذن لہ فقال قضینا ما علینا ثم رجع فادرکہ سعد فقال یارسول اللہ والذی بعثک بالحق ماسلمت من مرۃ الاولیٰ انا اسمع و ارد علیک و لکنی احببت ان تکثر من السلام علی وعلیٰ اھل بیتی ۔

(الادب المفرد)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر گئے (اجازت کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سلام کیا (اندر سے کوئی) اجازت نہیں دی گئی، پھر دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ سلام کیا پھر بھی اجازت نہیں دی گئی، (یعنی اندر سے کوئی جواب نہیں آیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہمیں اجازت

کیلئے جو طریقہ اختیار کرنا تھا کرلیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہونے لگے، تو حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا آپ کے ہر سلام کو میں نے سنا اور جواب بھی دیا لیکن میں نے اندر آنے کی جلدی سے اس لئے اجازت نہیں دی کہ میں چاہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور میرے گھر والوں پر سلام کی کثرت کریں۔"

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجازت کیلئے تین دفعہ سلام کرنا ضروری ہے، یعنی پہلی مرتبہ اجازت نہ ملے تو دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ، اگر تین مرتبہ کے بعد بھی اجازت مل جائے تو اندر داخل ہو اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کثرتِ سلام کو پسند کرتے تھے۔

سلام نہ کرنے والے کو اندر آنے کی ممانعت

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال لا تأذنوا لمن لم يبدأ بالسلام . (بیهقی)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سلام سے ابتداء نہ کرے اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت مت دو۔"

فائدہ

اس حدیث میں ابتداء بالسلام نہ کرنے والے کو اجازت دینے سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے، ہمیں بھی اس حدیث پر مضبوطی سے عمل کرنا چاہیے اور اس سنت کے مطابق اجازت لینا اور دینا چاہیے۔

سلام کے بغیر آنے والے کو واپس کر کے دوبارہ سلام کر کے آنے کی ہدایت

عن كلدة بن حنبل رضى الله تعالىٰ عنه قال اتيت النبى صلى الله عليه وسلم فدخلت عليه ولم اسلم فقال البنى صلى الله عليه وسلم ارجع فقل السلام عليكم أادخل .(ابوداؤد)

”حضرت کلدہ بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بغیر سلام کے پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا واپس جاؤ اور سلام کرنے کے بعد پھر داخل ہونے کی اجازت لو یعنی سلام کے بعد کہو کیا میں اندر آسکتا ہوں؟۔“

فائدہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کوئی ماتحت شخص جس کی تعلیم و تربیت آپ کے ذمہ ہو وہ اگر بغیر سلام کے آجائے تو اس کو واپس کریں اور دوبارہ سلام کر کے آنے کا حکم کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مجلس کو تین مرتبہ سلام کرنا

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتیٰ تفھم عنہ واذا اتیٰ علی قوم فسلم علیھم سلم علیھم ثلاثا. (بخاری)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی جب بات کرتے تو ایک بات کو تین مرتبہ دہراتے یہاں تک کہ سننے والے سمجھ جائیں اور جب کسی قوم کے پاس آتے تو ان کو تین بار سلام کرتے۔''

فائدہ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تین دفعہ سلام کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول نہ تھا بلکہ اگر مجمع بڑا ہو تو سب کو سنانے کیلئے اس طرح سلام فرماتے تھے تاکہ سب کو سلام سنائی دے اور سب آپ کی دعاء رحمت اور سلامتی سے مستفید ہوسکیں ہمارے لیے بھی ان کی اتباع ہی میں کامیابی ہے اس لئے اگر مسلمانوں کا کوئی مقتداء رہنما، استاذ یا پیر و مرشد کسی مجمع میں تشریف لائے تو ایسے انداز سے سلام کرنا چاہیے کہ سب کو سنائی دے۔

والدہ کے گھر میں اجازت سے داخل ہونا

عن عطاء بن يسار ان رجلا سال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال استاذن على امى فقال نعم فقال رجل انى معها فى البيت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم استاذن عليها فقال الرجل انى خادمها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتحب ان تراها عريانة قال لا قال فاستاذن عليها. (مشكوٰة)

''حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی (عمار بن یاسر) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی ماں کے پاس جانے کیلئے اجازت طلب کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ میں والدہ کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں، تو کیا تب بھی اجازت ضروری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی ہاں میں جواب دیا، انہوں نے عرض کیا کہ ان کے کام کاج خدمت وغیرہ میں ہی کیا کرتا ہوں (بار بار آنا جانا ہوتا ہے تو کیا ہر دفعہ اجازت ضروری ہوگی؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی ہاں ہی فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تم اپنی ماں کو

برہنہ حالت میں دیکھو؟ عرض کیا کہ نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا پھر تو اجازت لے کر ہی جایا کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کو سلام کرنا

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم علی غلمان فسلم
علیھم. (مشکوٰۃ)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لڑکوں کے پاس سے ہو کر گزرے تو
آپ نے ان کو سلام کیا۔''

فائدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کو سلام کرنا یہ آپ کے وصف تواضع وانکساری اور انتہائی شفقت ومحبت کا مظہر تھا، ہمیں بھی کسی مسلمان کو سلام کرتے ہوئے کسی قسم کی کوئی شرم یا عار محسوس نہیں کرنا چاہیے وہ مسلمان زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو، چاہے اپنا ملازم ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح بچوں کو بھی ادب سکھانے کے لئے سلام کرنا چاہیے، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ادا ہو جائے اور تعلیم بھی ہو جائے، اسی طرح اپنے شاگردوں کو بھی سلام کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو سلام کرنا

وعن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی

اللہ علیہ وسلم مر علی نسوۃ فسلم علیھن.

(مشکوٰۃ)

”حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے ہو کر گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا۔“

فائدہ

یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ کسی شر و فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عورتوں کو سلام کرنا روا تھا لیکن آپ کے علاوہ کسی دوسرے مسلمان کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اجنبی عورت کو سلام کرے ہاں اگر اتنی عمر رسیدہ ہو کہ اس کے خود کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف نہ ہو اور نہ اس کو سلام کرنا کسی دوسرے کی نظر میں بدگمانی کا سبب بن سکتا ہو تو اس کو سلام کرنا جائز ہوگا۔ (مظاہر حق جدید)

عورتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا

عن ام ھانی رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت ذھبت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یغتسل فسلمت علیہ فقال من ھذہ قلت ام ھانی قال مرحباً.(الادب المفرد)

''حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت آپ غسل فرما رہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، ارشاد فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا ام ہانی، ارشاد فرمایا مرحبا یعنی خوش آمدید۔''

فائدہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کرتی تھیں، عورتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا اس لئے روا تھا کہ وہاں کوئی خوف فتنہ نہ تھا، لہذا عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں کو سلام کرنا درست نہیں، اگر کوئی عورت سلام کرے تو اجنبی مرد کیلئے اس کا جواب دینا ضروری نہیں، خوف فتنہ ہو تو زبان سے جواب دینا جائز نہیں، البتہ عورت اپنے محرم مردوں کو سلام کیا کریں، جیسے باپ، دادا، نانا، ماموں، بڑے بھائی وغیرہ۔

بعض عورتیں جب اپنے محارم سے ملتی ہیں اسی طرح دوسری عورتوں سے ملتی ہیں تو سلام نہیں کرتیں بلکہ خاموش رہتی ہیں یا ہنس دیتی ہیں یا ویسے ہاتھ ملا لیتی ہیں خلاف سنت ہے بلکہ جب اپنے محارم سے یا کسی عورت سے ملاقات کرے تو اس وقت سلام کر لیا کرے اس میں کچھ عار اور شرم محسوس نہ کرے۔

سلام کے الفاظ میں تغیّر کرنے کی ممانعت

عن جری الهجیمی رضی الله تعالیٰ عنه قال
اتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت
علیک السلام یا رسول الله صلی الله علیه
وسلم فقال لا تقل علیک السلام فان علیک
السلام تحیة الموتیٰ. (ترمذی)

''حضرت جری ہجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا
''علیک السلام یا رسول اللہ'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ''علیک السلام'' مت کہو کیونکہ اس طرح
مُردوں کو سلام کیا جاتا ہے۔''

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کے کسی حکم میں تغیر و تبدل کرنا منع ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور شریعت کے اصطلاحی الفاظ میں بھی کسی قسم کا تغیر کرنا منع ہے چنانچہ سلام کے اصطلاحی الفاظ یعنی ''السلام علیکم'' اس میں تغیر کرنے کو اس حدیث میں منع فرمایا گیا ہے لہذا ہمیں سلام کی سنت ادا کرتے ہوئے انہی الفاظ کو استعمال کرنا چاہیے جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی اور اپنی طرف سے کسی اور لفظ یا طریقہ کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر سلام کرنے کی ممانعت

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیس منا من تشبه بغیرنا ، لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاریٰ فان تسلیم الیهود الاشارة بالاصابع وتسلیم النصاریٰ بالاکف ، وقال الترمذی اسناده ضعیف. (مشکوٰة)

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے غیر کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا (یعنی ہماری امت کے برعکس دوسرے لوگوں کے طریقہ پر عمل کریگا) وہ ہم میں سے نہیں تم نہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ عیسائیوں کے ساتھ یہودیوں کا سلام کرنا انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرنا ہے اور عیسائیوں کا سلام کرنا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔''

فائدہ

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے کسی بھی فعل وطریقہ اور خاص طور پر سلام کرنے کے ان دونوں طریقوں کی مشابہت نہیں

کرنی چاہیے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ سلام کرنے یا سلام کا
جواب دینے کیلئے محض مذکورہ اشاروں پر ہی اکتفاء کر لیتے تھے سلام کا لفظ نہیں
کہتے تھے حالانکہ زبان سے السلام علیکم کہنا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی
ذریت میں انبیاء و اولیاء اور مقربین کی سنت اور طریقہ ہے۔

مسلم اور غیر مسلم کی مخلوط مجلس میں سلام کرنے کا طریقہ

عن اسامة بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم مر بمجلس فيه اخلاط
من المسلمين والمشركين عبدة الاثان واليهود
فسلم عليهم. (مشكوٰة)

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس
سے ہو کر گذرے جس میں مسلمان اور مشرکین باہم بیٹھے
ہوئے تھے اور مشرکین میں بت پرست تھے، یہود بھی چنانچہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ارادہ کر کے
سلام کیا۔''

فائدہ

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ایسی جماعت کے پاس
سے ہو کر گذرے یا کسی مجلس میں پہنچے جس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں
ہوں مسلمان خواہ ایک ہی ہو یا کئی ہوں تو مسنون یہی ہے کہ مسلمان کا قصد

کر کے سلام کرے نیز علماء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں چاہئے "السلام علیکم" کہے اور نیت رکھے کہ اس سلام کے اصل مخاطب مسلمان ہیں اور چاہے تو یوں کہے:

السلام علی من اتبع الھدیٰ.

غائبانہ سلام اور اس کا جواب دینے کا طریقہ

عن غالب قال انا لجلوس بباب الحسن البصری اذجاءہ رجل فقال حدثنی ابی عن جدی قال بعثنی ابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ائتہ فاقرءہ السلام فاتیتہ فقلت ابی یقراء علیک السلام فقال علیک وعلی ابیک السلام۔ (مشکوٰۃ)

"حضرت غالب کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ مجھ سے میرے باپ نے ان سے میرے دادا نے بیان کیا کہ مجھ کو میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور میری طرف سے سلام عرض کرو، چنانچہ میں نے جا کر عرض کیا کہ میرے والد سلام عرض کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا "علیک وعلیٰ ابیک السلام" یعنی تجھ پر اور تیرے والد پر سلام ہو۔"

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی غیر کی طرف سے سلام پہنچائے تو مسنون یہ ہے کہ:

علیک وعلیٰ فلان السلام.

یا

علیک وعلیه السلام.

کہے، چنانچہ نسائی کی ایک روایت میں بعینہٖ یہی الفاظ منقول ہیں۔
یعنی دونوں کے سلاموں کا جواب دیدے غائب کا بھی اور پہنچانے والے کا بھی۔

سلام ایک دعاء ہے

بہر حال یہ ''سلام'' معمولی چیز نہیں، یہ زبردست دعاء ہے۔ اور اس کی دعاء کی نیت سے کہنا اور سننا چاہئے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کی بھی دعاء ہمارے حق میں قبول ہو جائے تو ہمارا بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے کہ اس دنیا میں و آخرت کی ساری نعمتیں اس سلام کے اندر جمع ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت ہو۔ اور اللہ کی برکت ہو۔ اس لئے یہ دعا لوگوں سے لینی چاہئے۔ اور اس شوق اور ذوق میں لینی چاہئے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی زبان میرے حق میں مبارک کردے۔

دونوں پر جواب دینا واجب ہے

اگر دو آدمی ایک دوسرے سے ملیں، اور ہر ایک دوسرے کو ابتداءً سلام کرنا چاہیں، جس کے نتیجے میں دونوں ایک ساتھ ایک ہی وقت میں ''السلام علیکم'' کہیں تو اس صورت میں دونوں پر ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا واجب ہو جائے گا۔ لہذا دونوں ''وعلیکم السلام'' بھی کہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سلام کرنے کا آغاز کیا ہے۔ اس لئے ہر شخص پر جواب دینا واجب ہو گیا۔

سلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہئے

ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ سلام کا جواب بلند آواز سے دینا ضروری ہے یا آہستہ آواز سے بھی جواب دے سکتا ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو سلام کا جواب دینا واجب ہے، البتہ اتنی آواز سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا وہ جواب سن لے، یہ مستحب اور سنت ہے، لیکن اگر اتنی آہستہ آواز سے جواب دیا کہ مخاطب نے وہ جواب نہیں سنا تو واجب تو ادا ہو جائے گا، لیکن مستحب ادا نہیں ہوگا۔ لہذا بلند آواز سے جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سلام کا جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہئے

سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجر و ثواب کا موجب ہے اور سنت ہے اور

سلام کا جواب دینا واجب ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا

فرمایا کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام سے بڑھ کر جواب دو، یا کم از کم ویسا جواب دو جیسا اس نے سلام کیا۔ مثلاً کسی نے ''السلام علیکم'' کہا تو تم جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ'' کہو۔ تا کہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے۔ ورنہ کم از کم ''وعلیکم السلام'' ہی کہہ دو تا کہ جواب برابر ہو جائے۔

دوسرے کے ذریعہ سلام بھیجنا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا سلام پہنچاتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، اور دوسرے شخص کے ذریعہ سلام بھیجنا بھی سنت ہے اور یہ بھی سلام کے قائم مقام ہے اور اس کے ذریعہ بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا جب کسی کو دوسرے کا سلام پہنچایا جائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ ہے ''علیہم وعلیکم السلام'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بھی سلامتی ہو، جنہوں نے سلام بھیجا ہے اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس میں دو سلام اور دو دعائیں جمع ہو گئیں۔ اور دو آدمیوں کو دعاء دینے کا ثواب مل گیا۔

بعض لوگ اس موقع پر بھی صرف ''وعلیکم السلام'' سے جواب دیتے ہیں۔ اس سے جواب تو ادا ہو جائے گا۔ لیکن صحیح جواب نہیں ہوگا، اس لئے کہ

اس میں آپ نے اس شخص کو تو سلامتی کی دعا دے دی جو سلام لانے والا ہے۔ وہ شخص جو اصل سلام بھیجنے والا تھا۔ اس کو دعا نہیں دی۔ اس لئے جواب دینے صحیح طریقہ یہ کہ "علیہم وعلیکم السلام" کہہ کر جواب دیا جائے۔

تحریری سلام کا جواب بھی واجب ہے

اگر کسی کے پاس کسی شخص کا خط آئے، اور اس خط میں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" لکھا ہوا ہو تو اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس سلام کا تحریری جواب دینا چونکہ واجب ہے، اس لئے خط کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اگر خط کے ذریعہ اس کے سلام کا جواب اور اس کے خط کا جواب نہیں دیں گے تو ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی شخص آپ کو سلام کرے، اور آپ جواب نہ دیں...... لیکن بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس خط کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خط کا جواب دینے میں پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اور کسی انسان کے حالات بعض اوقات اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ وہ پیسے خرچ کرے، اس لئے اس خط کا جواب دینا واجب تو نہیں ہے، لیکن مستحب ضرور ہے...... البتہ جس وقت خط کے اندر سلام کے الفاظ پڑھے، اس وقت زبان سے اس سلام کا جواب دینا واجب ہے، اور اگر خط پڑھتے وقت بھی زبان سے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ خط کا جواب دیا تو اس صورت میں ترک واجب کا گناہ ہوگا...... اس میں ہم سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے کہ خط آتے ہیں اور پڑھ کر اس کو ویسے ہی ڈال دیتے ہیں نہ زبانی جواب دیتے ہیں، نہ تحریری جواب

دیتے ہیں اور مفت میں ترک واجب کا گناہ اپنے نامہ اعمال میں لکھوا لیتے ہیں۔ یہ سب ناواقفیت کی وجہ سے کر لیتے ہیں۔ اسلئے جب بھی خط آئے تو فوراً زبانی سلام کا جواب دیدینا چاہیے۔

سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے

غیر مسلموں کو سلام میں پہل کرنے کی ممانعت

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا تبدوا اليهود والنصاریٰ بالسلام واذا لقيتم احدهم فی طريق فاضطروهم الیٰ اضيقه. (مشکوٰة)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو اور جب راستے میں ان میں سے کسی سے ملو تو ان کو تنگ ترین راستے پر چلے جانے پر مجبور کرو۔“

یہود کی دشمنی کا اظہار

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ان اليهود اذاسلم احدهم فانما يقول السام عليک قل

وعلیک. (مشکوٰۃ)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب یہود تمہیں سلام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''السام علیک'' (یعنی تم پر ہلاکت ہو) کہتے ہیں تو تم بھی جواب میں ''وعلیک'' کہو یعنی تمہارے اوپر بھی ہلاکت ہو۔''

فائدہ

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ یہود کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سلام میں پہل کرنا اسلامی تہذیب کا عطا کردہ ایک اعزاز ہے جس کے مستحق وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اسلامی تہذیب کے پیروکار ہوں اور مسلمان ہوں اس اعزاز کا استحقاق ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوسکتا جو دین اسلام کے دشمن اور خدا کے باغی ہوں، پھر سلام ایک الفت اور محبت قائم کرنے کا ذریعہ ہے لیکن ان دشمنان خدا کے ساتھ سلام اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ذریعہ الفت اور محبت کے مراسم قائم کرنا بھی جائز نہیں۔

غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی غیر مسلم سے ملاقات ہو اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لئے وہ لفظ استعمال کرے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں......

لیکن اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت ''اسلام علیکم'' کہے تو ان کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہے۔ اور پورا جواب نہ دے۔ اور یہ لفظ کہتے وقت یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت کی اور مسلمان بننے کی توفیق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے، یہ قوم ہمیشہ سے شریر قوم ہے۔ چنانچہ جب حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سامنے آتے تو یہ لوگ خباثت سے کام لیتے ہوئے ان کو سلام کرتے ہوئے کہتے: ''السام علیکم''، ''لام'' درمیان سے نکال دیتے تھے، اب سننے والا جلدی میں یہی سمجھتا کہ اس نے ''السلام علیکم'' کہا ہے۔ ''سام'' کے معنی عربی زبان میں موت اور ہلاکت کے ہیں۔ ''السام علیکم'' کے معنی ہوئے کہ تمہیں موت آجائے۔ اور تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ...... ظاہر میں تو سلام کرتے اور حقیقت میں بددعاء دیتے تھے۔ کچھ روز تک یہ معاملہ چل گیا۔ لیکن چند روز کے بعد صحابہ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر درمیان سے لام حذف کر کے ''السام علیکم'' کہتے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الاستئذان، باب کیف الرد علی اھل الذمۃ)

ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آکر حضور اقدس ﷺ کو اس طرح سلام کیا: ''السام علیکم'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ الفاظ

سنے تو ان کو غصہ آ گیا، اور جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''علیکم السام واللعنہ'' یعنی تمہارے اوپر ہلاکت اور لعنت ہو...... دو لفظ بول دیئے، حضور اقدس ﷺ نے سن لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

مهلا یا عائشة اے عائشہ! رک جاؤ اور نرمی سے کام لو،

پھر فرمایا: **ان الله يحب الرفق في الامر كله**

اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے گستاخ ہیں کہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے ''السام علیکم'' کہہ رہے ہیں۔ اور ہلاکت کی بد دعاء کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں کیا کہا؟ جب انہوں نے ''السام علیکم'' کہا تو میں نے جواب میں کہا ''وعلیکم'' مطلب یہ ہے کہ جو بد دعاء تم ہمارے لئے کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ وہ تمہارے حق میں قبول کر لے۔ لہٰذا غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہنا چاہئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

''اے عائشہ! نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اس کو زینت بخشے گی اور جس چیز سے نکال دی جائے گی۔ اس کو عیب دار کر دے گی۔ اس لئے معاملہ حتی الامکان نرمی سے کرنا چاہئے۔ چاہے مقابلے پر کفار ہی ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب استئذان، باب کیف یرد علی اهل الذمة الاسلام)

حتی الامکان نرمی کرنی چاہیے

آپ دیکھیے کہ یہودی نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ گستاخی کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ جواب میں فرمائے، بظاہر وہ انصاف کے خلاف نہیں تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے یہ سکھا دیا کہ میری سنت یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرو۔ اور صرف اتنی بات زبان سے ادا کرو، جتنی ضرورت ہے۔ بلاوجہ اپنی طرف سے بات آگے بڑھا کر سختی کر برتاؤ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سلام اور اس کے جواب کا شرعی حکم

حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں ابتداءً سلام کرنا سنت مؤکدہ ہے اور جواب دینا واجب ہے، اور حدیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلا حکم سلام کی اشاعت کا دیا، مگر یہ وجوب اور سنت علی الکفایہ ہے یعنی جماعت میں سے ایک نے سلام کرلیا یا جماعت کو سلام کیا گیا ان میں سے ایک نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی سلام و جوابِ سلام کی سنت ادا نہیں کی تو سب پر ترک سنت و ترک وجوب کا گناہ ہوگا۔

بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے

عن ابن عمر ان رجلا سلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یبول فلم یرد علیہ النبی

صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ پیشاب کیلئے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔"

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی آدمی ناواقفی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہئے۔

دینی گفتگو کے دوران سلام مت کیجئے

سلام کرنا بہت سی جگہ پر ناجائز بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص دوسرے لوگوں سے کوئی دین کی بات کررہا ہو، اور دوسرے لوگ سن رہے ہوں۔ تو اس وقت آنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ سلام کے بغیر مجلس میں بیٹھ جانا چاہئے۔ اسی طرح اگر ایک شخص تلاوت کررہا ہے اس کو سلام کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کا حکم

اگر لوگ مسجد میں نماز اور ذکر اذکار و وظائف میں مشغول ہوں تو ان کو سلام نہ کیا جائے، کیونکہ سلام تو ملاقات کرنے والوں کے اکرام و تعظیم کے لئے ہوتا ہے، مسجد میں بیٹھنے والوں کا مقصد زیارت و ملاقات

نہیں اس لیے مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے وقت نمازیوں کو سلام کرنے سے احتراز کیا جائے۔

تلاوت کرنے والے کو بھی سلام مت کیجئے

جو شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہو اس کو سلام نہیں کرنا چاہیے اگر کسی نے سلام کرلیا تو اس کے سلام کا جواب دینا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں مشغول ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کو جواب دینے سے اس کے کام میں حرج ہوگا، ایسی صورت میں سلام کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسے موقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے۔

مصافحہ سلام کی تکمیل

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبہ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صراحتہً یہی بات فرمائی گئی ہے۔

عن ابن مسعود عن النبیصلی الله علیه وسلم قال من تمام التحیة الاخذ بالید. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سلام کا تکملہ مصافحہ ہے (قریب قریب یہی

مضمون جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں مشہور صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے)''

مصافحہ کا اجروثواب اور اس کی برکتیں

عن البراء بن عازب قال قال النبیصلی الله علیه وسلم اذا التقی المسلمان فتصافحا و حمدا الله و استغفراه غفرلهما (رواه ابو داؤد)

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔''

عن عطاءِ الخراسانی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال تصفاحوا یذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب (رواه مالک .)

''مرسلاً عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی............ (موطا امام مالک) یہ روایت امام مالکؒ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے،

یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے
پہنچی......ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے، اور اس طریقہ سے
روایت کرنے کو ارسال کہتے ہیں)۔''

فائدہ

یہاں بھی اس بات کو یاد کرلیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو جو دانہ ہیجان ہو چکا اس سے پودا نہیں اگتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت

عن أيوب بن بشير بن كعب العدوى عن رجل من عنزة أنه قال لأبي ذر هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصافحكم إذا لقيتموه قال ما لقيته قط إلا صافحني وبعث إلي ذات يوم ولم أكن في أهلي فلما جئت أخبرت أنه أرسل لي فأتيته وهو على سريره فالتزمني فكانت تلك أجود وأجود. (ابوداؤد)

''حضرت ایوب بن بشیر قبیلۂ عنزہ کے ایک شخص سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے وقت آپ حضرات سے مصافحہ فرماتے

تھے تو میں نے کہا جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور مصافحہ فرمایا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں گھر میں موجود نہیں تھا آپ کا قاصد گھر پر آیا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا کر چلا گیا) جب میں گھر آیا تو مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار پائی پر تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کھڑے ہوکر) مجھ سے معانقہ فرمایا اور یہ معانقہ بہت عمدہ اور پاکیزہ طریقہ پر ہوا۔"

مصافحہ کے آداب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان النبی صلی الله علیه وسلم اذا استقبله الرجل فصافحه، لاینزع یده عن یده، حتی یکون الرجل هوالذی ینزع، ولا یصرف وجهه، حتی یکون الرجل هو الذی یصرفه، ولم یر مقاماً رکبیته بین یدی جلیس له.

(ترمذی، کتاب القیامة، باب نمبر ۴۶)

"بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آپ کے پاس آکر آپ سے مصافحہ کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اس کے

ہاتھ سے اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا
ہاتھ نہ کھینچ لے، اور آپ اپنا چہرہ اپنا رخ اس ملاقات کرنے
والے کی طرف سے نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا
چہرہ نہ پھیر لے۔ اور نہ کبھی یہ دیکھا گیا کہ جب آپ مجلس
میں لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوں، تو آپ نے اپنا گھٹنا ان میں
سے کسی شخص سے آگے کیا ہو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تواضع

اس حدیث میں حضور ﷺ کے تین اوصاف بیان کئے ہیں، پہلا وصف یہ بیان کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی طبیعت میں قدر تواضع تھی کہ اتنے بلند مقام پر ہونے کے باوجود جب کوئی اللہ کا بندہ آپ سے ملاقات کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور دوسرا وصف یہ بیان کیا کہ آپ اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے، اور تیسرا وصف یہ بیان کیا کہ اپنا گھٹنا کسی سے آگے نہیں کرتے تھے......... بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اس کی بات نہیں کاٹتے تھے، اور اس وقت تک اس کی طرف متوجہ رہتے تھے، جب تک وہ خود ہی اٹھ کر نہ چلا جائے۔ اور اگر کوئی بڑھیا بھی کسی معمولی سے کام کے لئے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتی تو آپ اس کے ساتھ اس کا کام کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے

اس حدیث کے پہلے جملے سے دو مسئلے معلوم ہوئے، پہلا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اگرچہ مصافحہ کے بارے میں زیادہ تفصیل تو نہیں آئی، لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ مصافحہ کا وہ طریقہ جو سنت سے زیادہ قریب ہے وہ یہ کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مصافحہ کے بیان پر جو باب قائم کیا ہے اس میں حضرت حماد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا بیان کیا ہے (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب الاخذان بالید) اور غالباً حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی مصافحہ کرے تو دونوں ہاتھوں سے کرے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف سنت ہے

آج کے دور میں ایک طرف تو انگریز کی طرف سے فیشن چلا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہئے، دوسری طرف بعض حلقوں کی طرف سے، خاص طور پر سعودی عرب کے حضرات اس بارے میں تشدد اختیار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مصافحہ تو ایک ہی ہاتھ سے کرنا سنت ہے۔ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے، یہ خیال غلط ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں مفرد کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور تثنیہ کا لفظ بھی آیا ہے اور بزرگوں نے اس

کا جو مطلب سمجھا وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے، چنانچہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، جبکہ روایتوں میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ بزرگان دین میں بھی یہی طریقہ متعارف رہا ہے، اسی طریقے کو علماء امت نے سنت کے قریب سمجھا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے ''التحیات'' اس طرح یاد کرائی کہ ''کفی بین کفیہ'' یعنی میرے ہاتھ حضور اقدس ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں بھی مصافحہ کرنے کا طریقہ یہی تھا اس لئے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت سے زیادہ قریب ہے۔

اب اگر کوئی شخص ایک ہاتھ سے مصافحہ کرلے تو اس کو میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے ناجائز کام کیا، یا اس سے مصافحہ کی سنت ادا نہیں ہوگی، لیکن وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو سنت سے زیادہ قریب ہو۔ اور جس طریقے کو علماء، فقہاء اور بزرگان دین نے سنت سے قریب سمجھ کر اختیار کیا ہو۔ اس کو ہی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

موقع دیکھ کر مصافحہ کیا جائے

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا اگرچہ سنت ضرور ہے، لیکن ہر

سنت کا کوئی محل اور موقع بھی ہوتا ہے، اگر وہ سنت اس کے موقع پر انجام دی جائے تو سنت ہوگی، اور اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ ثواب حاصل ہوگا، لیکن اگر اس سنت کو بے موقع اور بے محل استعمال کرلیا تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مصافحہ کرنے سے سامنے والے شخص کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا درست نہیں، اور اگر زیادہ تکلیف ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔ ایسے وقت میں صرف زبان سے سلام کرنے سے اکتفا کرے، اور ''السلام علیکم'' کہہ دے، اور سامنے والا جواب دیدے۔

یہ مصافحہ کا موقع نہیں

مثلاً ایک شخص کے دونوں ہاتھ مصروف ہیں، دونوں ہاتھوں میں سامان ہے اور آپ نے ملاقات کے وقت مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے وقت وہ بیچارہ پریشان ہوگا۔ اب آپ سے مصافحہ کرنے کی خاطر اپنا سامان پہلے زمین پر رکھے، اور پھر آپ سے مصافحہ کرے، لہذا ایسی حالت میں مصافحہ کرنا سنت نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے، بلکہ اگر مصافحہ کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچے گی تو گناہ کا بھی اندیشہ ہے............ آج کل لوگ اس معاملے میں بڑی بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں۔

مصافحہ کا مقصد ''اظہار محبت''

دیکھئے کہ یہ ''مصافحہ'' محبت کا اظہار ہے۔ اور محبت کے اظہار کے

لئے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس سے محبوب کو راحت ملے، نہ یہ کہ اس کے ذریعے اسکو تکلیف پہنچائی جائے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بزرگ اللہ والے کسی جگہ پہنچے تو آپ لوگوں نے یہ سوچا کہ چونکہ یہ بزرگ ہیں، ان سے مصافحہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ مصافحہ کرنے کے لئے پورا مجمع ان بچارے ضعیف اور چھوئی موئی بزرگ پر ٹوٹ پڑا، اب اندیشہ اس کا ہے کہ وہ بزرگ گر پڑیں گے، ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن مصافحہ نہیں چھوڑیں گے، ذہن میں یہ ہے کہ مصافحہ کرکے برکت حاصل کرنی ہے۔ اور جب تک یہ برکت حاصل نہیں ہوگی، ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔

مصافحہ کرنے کا ایک ادب

اوپر مذکور حدیث کے اگلے جملے میں یہ بیان فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کسی شخص سے مصافحہ کے وقت اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے جب تک سامنے والا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے.......... اس سے مصافحہ کرنے کا ایک اور ادب معلوم ہوا کہ آدمی مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ خود سے نہ کھینچے یعنی سامنے والے کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ تم اس کی ملاقات سے اکتا رہے ہو، یا تم اس کو حقیر اور ذلیل سمجھ رہے ہو، بلکہ شگفتگی کے ساتھ مصافحہ کرے۔ جلدی بازی نہ کرے..... البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو چمٹ ہی جائے اور آپ کا ہاتھ چھوڑے ہی نہیں۔ اس وقت بہر حال اس کی گنجائش ہے کہ آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔

معانقہ وتقبیل......اور قیام

محبت وتعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی برائی یا اس سے کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: جب اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو، تو کیا اس کی جازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں، اسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ: اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: تو پھر اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس کی اجازت ہے، اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس سے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ ﷺ سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔

ایوب بن بشیر قبیلہ بنو عنزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

کیا رسول اللہ ﷺ ملاقت کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں جب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ملا تو آپؐ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور ایک دفعہ آپ نے مجھے گھر سے بلوایا میں اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا، جب میں گھر آیا اور مجھے بتایا گیا (کہ حضور ﷺ نے مجھے بلوایا تھا) تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ اپنے سریر پر تھے (جو کھجور کی شاخوں سے ایک تخت یا چارپائی کی طرح بنالیا جاتا تھا) آپ (اس سے اٹھ کر) مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگایا، اور آپ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب تھا (یعنی بڑا لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا)......سنن ابی داؤد)

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت ما رائيت احداً كان اشبه سمتاً وهدياً ودلاً برسول الله صلى الله عليه وسلم من فاطمة كانت اذا دخلت عليه قام اليها فاخذ بيدها فقبّلها واجلسها فى مجلسه وكان اذا دخل عليها قامت اليه فاخذت بيده فقبّلته واجلسته فى مجلسها (رواه ابو داؤد)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل وصورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔ صاحبزادی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہ سے (یعنی ان

سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے
مشابہ تھیں) جب وہ حضور ﷺ کے پاس آتیں تو آپ
(جوش محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے ان کا
ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے (اور پیار سے) اس کو
چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے (اور یہی آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کا دستور تھا) جب آپ ﷺ ان کے یہاں تشریف
لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں، آپ کا دست
مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھاتیں۔"

فائدہ

یہ روایت اس کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز، اور خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور ﷺ کے کھڑے ہو جانے اور حضور ﷺ کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام واحترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز محبوب یا محترم بزرگ کے لئے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے۔ لیکن بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرامؓ کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار

فرماتے تھے، غالباً اس کی وجہ آپ کی مزاجی خاکساری اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم

روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرنے کا طریقہ

ریاض الجنۃ میں دو رکعت تحیۃ المسجد اور دعاء سے فراغت کے بعد نہایت ادب کے ساتھ قبلہ کی طرف سے مواجہ شریف (قبر شریف) کی جالی سے کچھ فاصلے پر اس طرح کھڑا ہو جائے کہ اپنی پشت قبلہ کی طرف ہو، اور چہرہ قبر مبارک کی دیوار کی طرف ہو۔

اس کے بعد حضورِ قلبی سے غایت درجہ یکسوئی کے ساتھ ان الفاظ سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا سَيِّدَ وُلْدِ آدَمَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَاَنَّکَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ فَجَزَاکَ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرًا

جَازَاکَ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ ، اَللّٰھُمَّ اعْطِ سَیِّدَنَا عَبْدَکَ وَرَسُوْلَکَ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الْعَالِیَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ ، وَاَنْزِلْہُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ ، اِنَّکَ سُبْحَانَکَ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ . (فتح القدیر)

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام ہو اے اللہ کی مخلوق میں سے سب سے برگزیدہ بندے آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے حبیب آپ پر سلام ہو، اے اولاد آدم کے سردار آپ پر سلام ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور اللہ کی رحمت اور برکات آپ پر نازل ہوں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے رسالت کو پہنچادیا ہے، اور امانت کو ادا کر دیا ہے اور آپ نے امت کی خیر خواہی فرمائی ہے اور بے چینی کو دور کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے ان جزاؤں

میں سے بہترین جزاء عطا فرمائے، جو کسی نبی کو اس کی امت
کی طرف سے دی ہے، اے اللہ تو اپنے بندے اور اپنے
رسول محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند و بالا درجہ عطا
فرما اور آپ ﷺ کو اس مقامِ محمود پر پہنچا دے جس کا تو
نے وعدہ فرمایا ہے، اور آپ ﷺ کو اپنے نزدیک مقرب
درجہ عطا فرما، بیشک تو پاک ذات ہے، اور عظیم ترین احسان
کرنے والا ہے۔"

مختصر سلام بھی پیش کر سکتے ہیں

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ

دوسرے کی طرف سے سلام کا طریقہ

اور اگر کسی نے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کیلئے کہا ہے تو اس کا
سلام بھی اس طرح عرض کر دے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ
یَسْتَشْفِعُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ.

"یا رسول اللہ ﷺ آپ پر فلاں بن فلاں کی طرف سے سلام
ہے، وہ آپ پر اپنے رب کے پاس شفاعت کا طالب ہے۔"

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام کا طریقہ

سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے بعد ایک ہاتھ کے بقدر داہنی طرف کو ہٹ کر سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان الفاظ کے ساتھ سلام پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَثَانِیَہٗ فِی الْغَارِ وَرَفِیْقَہٗ فِی الْاَسْفَارِ وَاَمِیْنَہٗ عَلَی الْاَسْرَارِ اَبَا بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ خَیْرًا۔

''اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ اور غارِ ثور میں ان کے ساتھ اور سفروں میں ان کے ساتھی اور ان کے رازوں کے امین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔''

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام کا طریقہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام پیش کرنے کے بعد ایک ہاتھ مزید داہنی طرف کو ہٹ کر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان الفاظ کے ساتھ سلام پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ الْفَارُوْقِ الَّذِیْ اَعَزَّ اللّٰہُ بِہِ الْاِسْلَامَ اِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ مَرْضِیًّا

حَيًّا وَمَيِّتًا جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا

''اے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و شوکت عطاء فرمائی، آپ پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کا امام بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندگی میں اور بعد وفات پسند فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

حسد ایک مہلک گناہ
اس سے بچنے کا طریقہ

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرملی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

حسد کا نقصان

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم و الحسد فان الحسد یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب اوقال العشب (رواہ ابوداؤد)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا حسد سے بچو اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے، یا یہ ارشاد فرمایا خشک گھاس کو (آگ) کھا جاتی ہے''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ علیٰ ماانعم وعلمنامالم نعلم
والصلوۃ علی افضل الرسل واکرم وعلیٰ الہ وصحبہ
وبارک وسلّم امّابعد!

فاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمَ.

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ام یحسدون النا س علی
ماآتاھم اللہ من فضلہ فقد اٰتینا اٰل ابراھیم
الکتاب و الحکمۃ واٰتینھم ملکا عظیما.
(سورۃ النساء : ۵۴)

’’یا یہ لوگوں سے اس بناء پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو
اپنا فضل کیوں عطا فرمایا ہے؟ سو ہم نے تو ابراہیم کے
خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی
سلطنت دی تھی۔‘‘

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم و الحسد فان الحسد یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب اوقال العشب .(رواہ ابوداؤد)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا حسد سے بچو اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے، یا یہ ارشاد فرمایا خشک گھاس کو (آگ) کھا جاتی ہے۔''

آج کی نشست میں حسد کی برائی سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

حسد ایک معاشرتی برائی ہے جو بڑے نقصانات کا سبب ہے، دنیا وآخرت کی تباہی کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس باطنی بیماری سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حسد کی حقیقت

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کو کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، چاہے وہ نعمت دنیا کی ہو، یا دین کی، اس نعمت کو دیکھ کر اس کے دل میں جلن اور کڑھن پیدا ہوئی کہ اس کو یہ نعمت کیوں مل گئی، اور دل میں یہ خواہش ہوئی کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے، یہ ہے حسد کی حقیقت۔

وضاحت کے ساتھ یوں سمجھئے!

مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو مال و دولت دیا، یا کسی کو صحت کی دولت دی، یا کسی کو شہرت دی، یا کسی کو عزت دی، یا کسی کو علم دیا، اب دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں ملی؟ اس سے یہ نعمت چھن جائے تو بہتر ہے، اور اس کے خلاف کوئی بات آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی سامنے آتی ہے تو اس سے دل میں رنج اور افسوس ہوتا ہے، کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا، اس کا نام حسد ہے۔

حاسد اللہ کے فیصلے پر معترض ہے

اب اگر حسد کی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا، کہ حسد کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کو کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کر رہا ہے، قادر مطلق پر اعتراض کر رہا ہے، اپنے محسن اور منعم پر اعتراض کر رہا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ خواہش کر رہا ہے کہ یہ نعمت کسی طرح اس سے چھن جائے، اسی وجہ سے اس کی سنگینی اور خطرناکی بہت زیادہ ہے۔

حسد کے تین درجات

پھر حسد کے تین درجات ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش

ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت مل جائے ،اب اگر اس کے پاس رہتے ہوئے مل جائے تو بہت اچھا ہے ورنہ اس سے چھن جائے ،اور مجھے مل جائے ، یہ حسد کا پہلا درجہ ہے، حسد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو نعمت دوسرے کو ملی ہوئی ہے، وہ نعمت اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے ،اس میں پہلے قدم پر یہ خواہش ہے کہ اس سے وہ چھن جائے ،اور دوسرے قدم پر یہ خواہش ہے کہ مجھے مل جائے ، یہ حسد کا دوسرا درجہ ہے، حسد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ یہ نعمت اس سے کسی طرح چھن جائے ،اور اس نعمت کی وجہ سے اس کو جو امتیاز اور جو مقام حاصل ہوا ہے، اس سے وہ محروم ہو جائے ، چاہے وہ نعمت مجھے ملے ، یا نہ ملے ، یہ حسد کا سب سے رذیل ترین، ذلیل ترین ،خبیث ترین درجہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین

حسد اور غبطہ کے درمیان فرق

غبطہ رشک کو کہتے ہیں رشک میں اس شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہیں ہوتی، یعنی یہ تمنا نہیں ہوتی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا کرے، لیکن یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی مل جائے ، آدمی کا دل نعمت کے حصول کے لیے للچاتا ہے، یہ رشک کہلاتا ہے، اور اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے ۔

اب اس کے دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ مجھے بھی یہ نعمت حاصل ہو جائے تو اچھا ہے، یہ حسد نہیں ہے، بلکہ یہ ''رشک'' ہے، عربی میں اس کو ''غبطہ'' کہا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ عربی زبان میں اس پر بھی ''حسد'' کا لفظ بول دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ حسد نہیں، مثلاً کسی شخص کا اچھا مکان دیکھ کر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح اس شخص کا مکان آرام دہ اور اچھا بنا ہوا ہے، میرا بھی ایسا مکان ہو جائے، یا مثلاً جیسی ملازمت اس کو ملی ہوئی ہے، مجھے بھی ایسی ملازمت مل جائے، یا جیسا علم اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے، ایسا علم اللہ تعالیٰ مجھے بھی عطا فرما دے، یہ حسد نہیں، بلکہ رشک ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، لیکن جب اس کی نعمت کے زائل ہونے کی خواہش دل میں پیدا ہو کہ اس کی یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے، یہ حسد ہے۔

صرف دو نعمتیں لائق رشک ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

لاحسد الا فی اثنین رجل اتاه الله مالا فسلطه علی هلکته فی الحق، ورجل اتاه الله الحکمة فهو یقضی بها ویعلمها. (متفق علیه)

''لائق رشک صرف دو آدمی ہیں''۔

یہاں حسد سے غبطہ اور رشک مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر

کوئی لائق رشک ہے تو صرف دو آدمی ہیں جن پر آدمی کو رشک کرنا چاہیے۔

''ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے،
مال عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلط کر دیا اس کے
ہلاک کرنے پر، یعنی اس کے خرچ کرنے پر حق کے
راستوں میں''۔

کہ وہ نیک کاموں میں مال خرچ کرتا ہے، تو یہ شخص قابل رشک ہے ،اس سے معلوم ہوا کہ محض مال کا مل جانا قابل رشک نہیں، ہاں کسی آدمی کو مال مل جائے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں رضائے الٰہی کے مطابق اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی تو ایسا شخص واقعی لائق رشک ہے، اور اگر مال مل جائے لیکن وہ اس کو غلط راستوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ شخص لائق رشک نہیں، بلکہ لائق رحم ہے، اس کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔

اور دوسرا آدمی لائق رشک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ خود بھی منتفع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے، یہ شخص لائق رشک ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنا دے، تو یہ دو آدمی لائق رشک ہیں، گویا دنیا کی نعمتوں میں صرف دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جائے، ایک یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائیں اور وہ مال اللہ کے راستے خرچ کرتا ہو، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہو۔

چار قسم کے آدمی

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا اور علم بھی عطا فرمایا، اور وہ اس مال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کو علم کے مطابق نیکی کے مصارف میں خرچ کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، مدارس بنواتا ہے، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرتا ہے، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، مخلوق کی خدمت کرتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ:

فهذا بافضل المنازل

"یہ شخص سب سے افضل اور اعلیٰ ترین مرتبے میں ہے"۔

دوسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا لیکن مال نہیں دیا، یہ اس پہلے آدمی کو دیکھ کر بہت رشک کرتا ہے اور دل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے بھی مال مل جاتا تو میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا جس طرح یہ شخص خرچ کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فاجرهما سواء

یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اتنا ہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا خرچ کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، دونوں کا اجر برابر ہے۔

تیسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے لیکن علم نہیں دیا، وہ اس مال میں خبط کرتا ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، نہ دین کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، وہ مال کو خرچ کرتا ہے مگر اپنی خواہش نفس پر، خرچ کرتا ہے لغویات پر، خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، یہ شخص سب سے بدترین مرتبے کا ہے۔

چوتھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا، یہ شخص اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی ایسا ہی کرتے کہ اس نے لڑکے کے ختنے کی تقریب کیسی شاندار کی، کنجریاں نچوائیں، ڈھول بجائے، ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو ہم بھی یہ سب کچھ کرتے، دیکھو! اس نے کیسی دھوم دھام سے شادی کی، اور اس پر کتنا خرچ کیا، ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح کرتے، اسی طرح مال دار کے گھر جتنے غلط کام ہوتے ہیں، یہ سب پر رشک کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ اس کے گھر میں ٹی وی ہے، فلاں فضول چیز ہے، فلاں غلط چیز ہے، ہمارے پاس پیسے نہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی یہ ساری چیزیں گھر میں لا ڈالتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فهو نيته ووزرهما سواء (رواه الترمذی وقال حديث صحيح مشكوٰة)

اس کو اس کے ارادے اور قصد کی وجہ سے اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس تیسرے آدمی کو ملے گا، نعوذ باللہ بڑا بدقسمت ہے یہ شخص کہ اپنے جہل کی

وجہ سے بیٹھے بٹھائے گناہ گار ہو گیا، اور گناہ گاری میں حصہ لے لیا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ رشک تو یہ ہے کہ ہم کسی شخص کی ریس کرنا چاہیں، دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں۔ تو بھی اگر رشک کرنا ہے تو کسی کی نیکی پر کرو، کسی کی برائی پر کیا رشک کرنا ہے۔

لہٰذا اگر دین کی وجہ سے کوئی شخص رشک کر رہا ہے کہ فلاں شخص دینداری میں مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہے، یہ رشک پسندیدہ ہے، اور بڑی اچھی بات ہے۔

دنیا کی وجہ سے رشک پسندیدہ نہیں

لیکن دنیا کے مال و دولت کی وجہ سے دوسرے پر رشک کرنا کہ فلاں کے پاس مال زیادہ ہے، فلاں کے پاس دولت زیادہ ہے، فلاں کی شہرت زیادہ ہے، فلاں کی عزت زیادہ ہے، ان دنیاوی چیزوں پر رشک کرنا بھی اچھی بات نہیں، اس لئے کہ ان چیزوں میں زیادہ رشک کرنے کے نتیجے میں بالآخر حرص پیدا ہو گی، اور اس کے بعد حسد پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے، اس لئے اس رشک کی بھی زیادہ ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیے بلکہ جب کبھی ایسا خیال آئے تو اس وقت آدمی یہ سوچے کہ اگر فلاں نعمت اس کو حاصل ہے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، جو اس کے پاس نہیں ہیں، اور جو نعمتیں مجھے نہیں ملیں تو میری بھلائی اور مصلحت بھی اس میں ہے کہ مجھے وہ نعمت نہ ملے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کی

وجہ سے مجھے وہ نعمت نہیں عطا فرمائی، اگر وہ نعمت مجھے حاصل ہو جاتی تو خدا جانے کس مصیبت کے اندر مبتلا ہو جاتا، بہر حال! ان باتوں کو سوچے، اور اس رشک کے خیال کو بھی اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا رشک کرنا

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے محدثین اور علماء میں سے ہیں، وہ جب مکہ مکرمہ گئے حج کرنے کیلئے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ زمزم پیتے وقت آدمی جو دعا کرے، وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں:

ماء زمزم لما شرب له

زمزم جس نیت سے پیا جائے، اللہ تعالیٰ وہ نیت پوری فرما دیتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ جب میں نے زمزم پیا تو زمزم پیتے وقت میں نے دعا کی یا اللہ! مجھے حافظ ذہبیؒ جیسا حافظہ عطا فرما دیجئے، تو یہ رشک ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، یہ کوئی ناجائز بات نہیں۔

حسد کرنے کا لازمی نتیجہ

حسد کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس سے حسد کیا جا رہا ہے، اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے، یا اس کو کوئی رنج یا غم پہنچ جائے تو یہ حسد کرنے والا اس کی تکلیف اور اس کے رنج و غم سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی ہو جائے، یا اس کو کوئی نعمت مل جائے تو اس سے اس کو رنج ہوتا ہے، اور دوسروں کی تکلیف پر خوشی ہونے کو عربی میں ''شماتت'' کہتے ہیں، یہ بھی حسد

کی ایک قسم ہے، قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر اس کی مذمت آئی ہے۔

حسد کی بیماری دنیا و آخرت میں ہلاک کرنے والی ہے

یہ حسد ایسی بری بیماری ہے جو کہ آخرت میں انسان کو ہلاک کرنے والی ہے، بلکہ دنیا کے اندر بھی انسان کے لئے مہلک ہے، لہٰذا اس کے ذریعے دنیا کا بھی نقصان، اور آخرت کا بھی نقصان، اس لئے کہ جو شخص دوسرے سے حسد کرے گا، وہ ہمیشہ تکلیف اور گھٹن میں رہے گا، اس لئے کہ جب بھی دوسرے کو آگے بڑھتا ہوا دیکھے گا، تو اس کو دیکھ کر دل میں رنج اور غم اور گھٹن پیدا ہوگی، اور اس گھٹن کے نتیجے میں وہ رفتہ رفتہ وہ اپنی صحت کو بھی خراب کر لے گا۔

حسد کا منشأ تکبر ہے

یہ حسد دل کی بیماری ہے، اور منشأ اس کا تکبر ہے، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور دوسرے شخص کو چھوٹا سمجھا کہ یہ شخص تو اس نعمت کے لائق نہیں تھا، اس کو یہ نعمت کیوں دی گئی؟

حاسد کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مومن تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے، اور تم

کو جو نہیں ملی یہ بھی من جانب اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو اس کی دو ہی وجہ ہو سکتی ہیں، ایک تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا، اس کو نہیں ملنی چاہیے تھی، یہ اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا، نعوذ باللہ۔ تبھی تو تم اعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

شیطان حسد کی وجہ سے کافر بنا

تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کا سب سے پہلا کافر اسی حسد کی وجہ سے کافر بنا، شیطان کو اسی حسد نے شیطان بنایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، ملائکہ کو کیا عذر تھا؟ جبریل ہیں، اسرافیل ہیں، میکائیل ہیں، عزرائیل ہیں، ملائکہ مقربین ہیں، حاملین عرش ہیں، بڑے بڑے درجے کے فرشتے ہیں، لیکن سب حکم الٰہی کے تابع ہیں، دل و جان کے ساتھ حکم الٰہی کے مطیع ہیں۔

لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون (التحریم)

ان کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہو جائے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم ہو جائے اسے کر ڈالتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو، مالک کا حکم تھا بغیر توقف کے تمام کے تمام فوراً سجدہ میں گر گئے، سب کے سب مل کر آدم علیہ السلام کو سامنے سجدہ بجا لائے، ''الا ابلیس'' مگر ابلیس، آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں جھکا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں

نہیں کیا؟

قال انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین

کہنے لگا کہ آدم کو سجدہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اب میں بڑا اور یہ چھوٹا، اور بڑے کو یہ کہنا کہ وہ چھوٹے کے سامنے جھکے یہ حکمت کے خلاف ہے، تو شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنا درحقیقت اعتراض تھا اللہ تعالیٰ کے فعل پر، نعوذ باللہ، اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کا یہ حکم غلط ہے، شیخ فرماتے ہیں تم جو کسی کی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتے ہو، اور جلتے ہو، ذرا یہ تو سوچو کہ نعمت کے عطا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، تو تم گویا یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ غلط ہے، (نعوذ باللہ) اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مقام کیا ہوگا؟ جو شخص کہ فیصلۂ الٰہی پر اعتراض کرتا ہو اس کا مقام کیا ہے؟

حسد کا دوسرا منشأ

حسد کا دوسرا منشأ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت مجھے ملنی چاہیے تھی، مجھے کیوں نہیں ملی، یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں محروم رکھا؟ تم جب کہتے ہو کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہیے تھی تو گویا تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ تمہاری ذاتی استحقاق ہے، ابلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں، میں اس کا مستحق تھا کہ آدم علیہ السلام میرے

سامنے سجدہ کریں، نہ یہ کہ الٹا مجھے کہا جائے کہ میں آدم کو سجدہ کروں، تو نعمت کو تم نے اپنا ذاتی استحاق سمجھا، ذاتی استحقاق سمجھتے ہوئے ہی تو شیطان نے فیصلۂ خداوندی پر اعتراض کیا کہ اس نعمت کا حق تو میرا تھا آپ نے میرے بجائے آدم علیہ السلام کو یہ نعمت دے دی، تو حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے۔

حاسد اپنی آگ میں خود جلتا ہے

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہوگا کچھ نہیں، جس پر حسد کر رہا ہے، اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی، بلکہ یہ خود جلتا رہے گا، دنیا میں بھی جلے گا، اور آخرت میں بھی جلے گا، یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جا کر جہنم کی آگ میں جلے گا۔

عربی کا ایک شعر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حسد کی مثال آگ جیسی ہے اور آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو دوسری چیز کھانے کو ملے، تب تو یہ اس کو کھا کر رہے گی، مثلاً لکڑی کو آگ لگی ہوئی ہے، تو وہ آگ لکڑی کو کھاتی رہے گی، لیکن جب لکڑی ختم ہو جائے گی، تو پھر آگ کا ایک حصہ خود اس کے دوسرے حصے کو کھانا شروع کر دے گا، یہاں تک کہ وہ آگ بھی ختم ہو جائے گی، اسی طرح حسد کی آگ بھی ایسی ہی ہے کہ حسد کرنے والا پہلے تو دوسرے کو خراب کرنے اور دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جب دوسرے کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تو پھر

حسد کی آگ میں خود جل جل کر ختم ہو جاتا ہے۔

حسد کم ظرفی کی علامت

یہ حسد کی بیماری دراصل احساس کمتری کی شاخ ہے، اصل میں آدمی جب سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنا دیا گیا اور دوسرا بڑا بن گیا یا بنا دیا گیا، تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے، یہ کم ظرفی کی علامت ہے، حوصلہ بلند ہو آدمی کا تو پھر دوسرے پر حسد نہیں آتا بلکہ خوش ہوتا ہے کہ چلو میرے بھائی کے پاس یہ نعمت آ گئی۔

حکایت ہابیل وقابیل

حسد کی بنیاد قابیل سے شروع ہوئی ہے مختصر واقعہ یوں ہے کہ حضرت حواء نے قابیل اور اقلیما کو ایک حمل سے جنا پھر ہابیل اور لبودا کو دوسرے حمل سے اور ان میں نکاح کا طریقہ یہ تھا کہ ایک مرد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا تھا جو عورت اس حمل سے نہ ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان کی بہنوں کے علاوہ اور عورتیں نہیں تھیں پس قابیل اور اس کے بھائی ہابیل بڑے ہو گئے اور ان کے درمیان دو سال کا فاصلہ تھا جب یہ دونوں بالغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ قابیل کو ہابیل کی بہن لبودا سے اور ہابیل کو قابیل کی بہن اقلیما سے نکاح کرا دیں اور اقلیما جو کہ قابیل کی بہن تھی لبودا سے خوبصورت تھی پس حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو یہ بات یعنی نکاح کا سنایا تو ہابیل راضی ہو گئے

اور قابیل اس حکم سے ناراض ہوگیا اور قابیل نے کہا کہ اقلیما میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے میں اس کا مستحق ہوں کہ اس کے ساتھ نکاح کروں اور ہم جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور وہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے آدم علیہ السلام نے ان کو کہا یہ تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اپنی حقیقی بہن اقلیما سے شادی کرو، پس قابیل نے اس حکم سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم نہیں دیا ہے بلکہ آپ اپنی طرف سے یہ کہتے ہیں۔

پس آدم علیہ السلام نے ان کو کہا تم ایک قربانی کرو اللہ کے لئے پس جس کی قربانی قبول ہوگی وہ ہی اس کا مستحق ہے کہ اقلیما سے شادی کرے اور اس وقت یہ قاعدہ تھا کہ جو قربانی قبول ہوتی تھی تو آسمان سے ایک سفید آگ آتی تھی اس کو کھالیتی اور جو قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ نازل نہ ہوتی بلکہ اس کو پرندے درندے کھاتے تھے، بالآخر آدم علیہ السلام ان کے پاس سے چلے گئے تاکہ قربانی کریں قابیل زمیندار تھا اس نے ایک ڈھیر گندم کا یا جو کا لایا اور اپنے دل میں کہا کہ میری قربانی قبول ہو یا نہ ہو میری بہن سے میرے علاوہ کوئی شادی نہیں کرسکتا ہے اور ہابیل بکریوں والا شخص تھا اس نے ایک اچھے مینڈھے کو لاکر پیش کر دیا اس نے اپنے دل میں اللہ کی رضا کا خیال کیا تھا اور یہی اس کا مقصود تھا تو ان دونوں نے اپنی قربانی پہاڑ پر رکھ دیں، اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے دعا مانگی پس ایک آگ آسمان سے نازل ہوئی ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو نہیں

کھایا اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

فتقبل من احدهما ولم يتقبل من الآخر

''کہ ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی''

اس کے بعد قابیل نے ہابیل کے ساتھ حسد شروع کیا قابیل نے اس کے قتل کا بندوبست کیا بالآخر قابیل نے حسد کی وجہ سے ہابیل کو قتل کر دیا یہ نتیجہ ہے حسد کا کہ حسد کی وجہ سے اتنے بڑے جرم کا مرتکب ہوا چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تک جتنے ناحق قتل ہوتے رہیں گے سب کا نصف وبال قابیل پر ہے اور نصف قاتل پر ہوگا۔

حکایت ایک حاسد وزیر کی

کہا گیا ہے کہ ایک بدوی خلیفہ معتصم باللہ کے پاس آیا خلیفہ نے اس کو اپنا مقرب بنایا اور وہ اس کے گھر میں بغیر اجازت کے آتا جاتا تھا اور اس کا ایک وزیر اس سے بہت حسد کرتا تھا اس وزیر نے اپنے دل میں کہا کہ اس بدوی پر کوئی مکر کرنا چاہیے کیونکہ اس نے امیر المؤمنین کے دل پر قبضہ کر رکھا ہے اور مجھ کو اس سے دور کیا ہے بالآخر وہ وزیر بدوی سے خوش اخلاقی سے ملا اور اس کو اپنے گھر لایا اور کھانا پکایا اور اس کھانے میں بہت لہسن ڈلوایا پس جب بدوی نے کھایا بدوی کو کہا گیا کہ امیر المؤمنین کو لہسن کی بدبو سے بہت تکلیف ہوگی لہذا اس کے پاس جانے میں بہت احتیاط

کرو پھر وزیر گیا بادشاہ کے پاس اس کو کہا کہ یہ بدوی آپ کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ امیر المؤمنین کا منہ بدبودار ہے پس معتصم نے یہ بات سن کر بدوی کو بلایا تو بدوی جب قریب ہوا تو اس نے اپنے منہ پر اپنی آستین رکھی اس ڈر سے کہ امیر المؤمنین کو لہسن کا پتہ نہ چلے اور امیر المؤمنین نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گیا کہ وزیر کی بات حق ہے پس امیر المؤمنین نے ایک خط اپنے گورنر کے پاس لکھدیا اور اس میں لکھدیا کہ اس رقعہ کے حامل کی گردن اڑاؤ پھر اس خط کو بدوی کے ہاتھ میں دے دیا، بدوی جب گھر سے نکل گیا تو دروازے پر وزیر کھڑا تھا اس نے پوچھا کہ کدھر جا رہے ہو اس نے کہا یہ خط حاکم کے پاس لے جا رہا ہوں وزیر نے سوچا کہ اس کی عزت اور بڑھ جائے گی اور انعام حاصل کرلیگا، اس لئے اس کو کہا کہ آپ کو امیر المؤمنین دو ہزار دینار دے رہے ہیں لہذا میں بھی آپ کو دو ہزار دینار دیتا ہوں یہ خط مجھے دیدو تاکہ آپ سفر کی مشقت سے بچ جائیں پس بدوی بے گناہ نے وہ خط وزیر حاسد کو دیدیا وزیر جب خط کو گورنر کے پاس لے گیا اور اس نے پڑھا تو فوراً اس کا سر اڑادیا بعد میں ایک دن امیر المومنین نے پوچھا کہ وزیر نظر نہیں آرہا ہے لوگوں نے بتایا کہ اس کو فلاں گورنر نے قتل کردیا پس بادشاہ نے بدوی کو حاضر کیا اور بدوی سے صحیح حالت دریافت کیا بدوی نے پورا قصہ سنایا پورا قصہ سننے کے بعد امیر المومنین نے کہا کیا آپ نے میرے بارے میں کہا تھا کہ میرا منہ

بد بو کر رہا ہے بدوی نے کہا نہیں یا امیر المومنین میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں، پھر امیر المومنین نے کہا اللہ حسد کا برا کرے کہ اس نے حاسد کو قتل کر ڈالا اور محسود کے ساتھ اچھا کیا، پھر معتصم نے اس بدوی کو اس وزیر کی جگہ وزیر بنایا اور اس کو خلعت وانعام سے نوازا۔

حسد کی آگ سلگتی رہتی ہے

ایک آگ تو وہ ہوتی ہے جو بہت بڑی ہوتی ہے، جو منٹوں میں سب کچھ جلا کر ختم کر دیتی ہے اور ایک آگ وہ ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے سلگتی رہتی ہے، اگر وہ آگ کسی کو لگائی جائے تو وہ آگ ایک دم سے اس کو جلا کر ختم نہیں کرے گی، بلکہ وہ آہستہ آہستہ سلگتی رہے گی، اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو کھاتی رہے گی، حتیٰ کہ وہ ساری لکڑی ختم ہو کر راکھ بن جائے گی، اسی طرح حسد ایک ایسی بیماری اور ایک ایسی آگ ہے، جو رفتہ رفتہ سلگتی چلی جاتی ہے، اور انسان کی نیکیوں کو فنا کر ڈالتی ہے، اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری نیکیاں ختم ہو رہی ہیں، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

حسد بہت سے گناہوں کا منبع ہے

اور یہ حسد کی بیماری بہت سی برائیوں کا منبع ہے، جب کسی کو کسی پر حسد ہو گا تو لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرے گا، تاکہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت نہ رہے، کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دل میں اس کی

عزت ہے، میری نہیں، اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی برائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذا پہنچانے کی کوشش کریگا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا، یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کا مورد بنے گا، کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ، کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لئے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا، تو غیبت، بہتان تراشی اور ایذاء رسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

حسد نیکیوں کو کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو

اسی بناء پر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات

کماتاکل النار الحطب (رواہ ابو داؤد)

”حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس

طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے“۔

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اول تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی، جس شخص کو فیصلۂ خداوندی پر اعتراض ہو وہ نیکی کیا کرے گا، جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟، وہ تو آگ میں جلے گا، اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے

گناہ سرزد ہوں گے، کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف کوئی تدبیر کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے، اور آخرت کا اصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی کوئی برائی کرے گا، اس کو ستائے گا، قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دلوادی جائیں گی، نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان سی توجیہ ہے۔

قیامت کے دن مفلس کون ہوگا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتدرون ما المفلس ؟

''تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟''

صحابہؓ نے عرض کیا ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو، مال و دولت نہ ہو، ارشاد فرمایا کہ ''میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر طاعات) لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ اس نے کسی کو گالی دی تھی، کسی پر تہمت لگائی تھی، کسی کا مال کھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا، کسی کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی کچھ نیکیاں یہ لے گیا، کچھ وہ لے گیا، اس کے ذمہ جو حقوق ہیں اگر وہ ادا نہیں ہوئے نیکیاں ختم ہوگئیں، تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔ (مشکوٰۃ بروایت مسلم)

دوسروں سے اپنا معاملہ صاف رکھو

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دو غلام ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، میری خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو گالیاں بکتا ہوں، مارتا پیٹتا ہوں، یا رسول اللہ! میرا اور ان کا معاملہ قیامت کے دن کیسا رہے گا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انہوں نے جو تیری خیانت کی ہوگی، جتنی نافرمانیاں کی ہوں گی، اور تجھے جھٹلایا ہوگا، قیامت کے دن اس کا بھی میزانیہ تیار کیا جائے گا، اور تو نے جو ان کو گالیاں دی ہوں گی، ان کو مارا پیٹا ہوگا، ان کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس کی بھی میزان لگائی جائے گی، پھر دونوں کا وزن کرلیا جائیگا، اگر دونوں برابر ہوگئے تو نہ تجھے کچھ دینا پڑا نہ لینا پڑا، اور اگر ان کا ستانا زیادہ تھا اور جو تم نے سزا دی وہ کم تھی تو تم بچت میں رہے، اور اگر تم نے سزا زیادہ دی تھی اور ان کا قصور کم تھا تو زیادتی کے بقدر تم سے ان کا بدلہ لیا جائیگا، اور تمہاری نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی، وہ شخص یہ سن کر مسجد کے کونے میں بیٹھ کر رونے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور فرمایا روتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃِ فلا تظلم نفس شیئا (الانبیاء : ۴۷)

''اور ہم قائم کریں گے انصاف کے تول قیامت کے دن، سو ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر ذرا بھی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی عمل ہوگا، اچھا یا برا ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے''

وہ صاحب کہنے لگے یا رسول اللہ! بچاؤ کی صورت تو یہی نظر آتی ہے کہ ان سے اپنا معاملہ ختم کر دوں، اور یا رسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں، کہ وہ لوجہ اللہ آزاد ہیں، میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔

اپنی نیکیاں دوسروں کو دینا حماقت ہے

بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کر کے پھر اپنے دشمنوں کو، جن سے وہ دشمنی رکھتا ہے، ان کے کھاتے میں جمع کرادے، اپنے خیال میں یہ ان کی برائی کر رہا ہے، ان کی غیبت کر رہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو ایذاء دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں، اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں وہ جو اپنے اندر ہے، یعنی حسد کی جو بیماری ہے، یہ سب اس کی شاخیں ہیں، اور وہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہیں، جو تھوڑی بہت بن پڑتی ہیں وہ بھی لوگوں کو دے کر چلے جاتے ہیں۔

حاسد شیطان کا چھوٹا بھائی ہے

شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں اللہ کے بندے تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے، اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اگر تجھ کو اس پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے، اس لیے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دشمنی اس کے ساتھ نہیں کر رہا بلکہ دشمنی اللہ تعالیٰ سے کر رہا ہے اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی تو اس میں دو قباحتیں ہیں ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے کہ یہ نعمت تجھے نہیں دی، دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نعمت دے کر نعوذ باللہ حکمت کے خلاف کیا۔

شیخؒ فرماتے ہیں کہ جانتے نہیں ہو کہ حق تعالیٰ حکیم و علیم ہیں، ان کا جو معاملہ جس کے ساتھ بھی ہے وہ علم و حکمت پر مبنی ہے، تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے؟

اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کو دیکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نور اللہ مرقدہ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ تم دوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے،

عمرو کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو میرے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت ہے تو مانگو اللہ تعالیٰ سے، ان کا دربار کھلا ہوا ہے، بند تو نہیں ہوا، اللہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے، اللہ کے فضل سے گونگی نہیں ہے، تمہارے ہاتھ پھیلانے کے لئے بھی موجود ہیں، اللہ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے، کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے ہو، وہ بخیل تو نہیں ہے کہ تمہیں نہیں دے گا۔

اگر اس بات پر نظر ہو جائے بھئی کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ میرے اللہ کا معاملہ کیا ہے، تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے، آدمی کیوں حسد کرے۔

نعمتوں پر شکر کرو حسد مت کرو

الغرض ہم لوگوں کو جو نعمتیں، اور جو چیزیں حاصل ہیں، ان پر کبھی الحمد للہ نہیں کہتے، اور جو چیزیں حاصل نہیں ہمیشہ ان پر کڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ دنیا کی ساری چیزیں ایک آدمی کو تو حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ تو حکمت کے خلاف ہے، آپ یہ چاہیں کہ دنیا میں آپ کو کوئی رنج و پریشانی نہ ہو، کوئی مراد ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو، کسی قسم کی کوئی الجھن نہ ہو، یہ تو اس دنیا میں ناممکن ہے، پھر یہ دنیا دنیا کیوں ہوگی، جنت ہوگی:

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

دنیا میں ایسا کون ہے جس کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو؟ میرے مولا کی حکمت کارفرما ہے کہ کسی کو کچھ دے رکھا ہے، کسی کو کچھ دے رکھا ہے، ہمیں تو حکم ہے کہ ہر حال میں مالک کا شکر بجالاؤ، لیکن خاص کر عورتیں بے چاری بہت کمزور ہوتی ہیں، اس معاملے میں ان کے منہ سے کلمۂ شکر بہت کم نکلتا ہے۔

دوزخ میں عورتوں کی کثرت اور اس کی وجہ

عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے ان سے فرمایا:

یامعشر النساء تصدقن ولومن حلیکن فانی
اریتکن اکثر اهل النار (مشکوٰۃ)

"اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو، چاہے تم کو اپنا
زیور دینا پڑے، اس لئے کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں
اکثریت تمہاری ہوگی"

دوسری حدیث میں فرمایا کہ میں نے معراج کے موقع پر جنت کی سیر کی تھی، میں نے دیکھا کہ وہاں اکثریت کمزوروں کی تھی جن بے چاروں کو یہاں کوئی پوچھتا نہیں، ٹوٹے پھوٹے لوگ، گرے پڑے لوگ،

اور میں نے دوزخ کو دیکھا تو وہاں اکثریت عورتوں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ تم دوزخ سے بچنے کیلئے صدقہ زیادہ کیا کرو، بعض عورتوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اکثریت وہاں کیوں ہوگی؟ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت جو بڑی دانا تھی اس نے کہا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ:

''تم اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو کبھی خوش نہیں ہوتیں''۔

عورتوں کی ناشکری زیادہ ہے

یہ بے چاری عورتوں کی کمزوری ہے گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان عطا کر رکھا ہو، کھانے کو موجود ہے پہننے کو موجود ہے ہر قسم کی راحت ہے اللہ نے عزت بھی دے رکھی ہے رزق بھی دے رکھا ہے لیکن خاتون خانہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھئے، ایسا لگے گا کہ دنیا میں اس سے زیادہ دکھوں کی ماری کوئی نہیں ہے۔

''الحمدللہ! حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے''

اس طرح کا کلمہ ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلتا، الا ماشاء اللہ، یہ عورتوں کی بہت بڑی کمزوری ہے۔

اکثر لوگ ناشکرے ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقلیل من عبادی الشکور

''اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے''

اکثر ناشکرے ہیں کہ کھا پی کر بھی کفران نعمت کرتے ہیں، مالک نے سب کچھ دے بھی رکھا ہے، پھر بھی ان کے منہ سے کلمۂ شکر نہیں نکلتا، اگر منہ سے نکل جائے تو دل سے نہیں نکلتا، اور اگر رسمی طور پر الحمد للہ کہہ بھی دیں تو ایسا نہیں کہ دل کی گہرائیوں سے شکر نکلے، جب شکر نہیں کیا جائیگا تو اس کی جگہ شیطان مختلف وسوسے ڈالے گا اور حتیٰ کہ حسد میں مبتلا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نعمتوں پر شکر کی توفیق عطا فرمائے، آمین

اور یہ ساری خرابی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان اپنی طرف دیکھنے کے بجائے دوسروں کی طرف دیکھتا ہے، خود اپنے کو جو نعمت حاصل ہیں، ان کا تو دھیان اور خیال ہی نہیں، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں، مگر دوسروں کی نعمتوں کی طرف دیکھ رہا ہے، اسی طرح اپنے عیوب کی طرف تو نظر نہیں، مگر دوسرے کے عیوب تلاش کر رہا ہے، اگر انسان اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ہر وقت نازل ہونے والی نعمتوں کا استحضار کرے، تو پھر دوسرے پر کبھی حسد نہ کرے تم کیسی بھی حالت میں ہو، پھر بھی اللہ تعالیٰ صبح سے شام تک تمہارے اوپر نعمتوں کی بارش برسا رہا ہے کہ اگر تم اس کا تصور کرتے رہو تو دوسروں کی نعمت پر کبھی جلن پیدا نہ ہو۔

ہمیشہ اپنے سے کم تر کو دیکھو

آجکل ہمارے معاشرے میں لوگوں کو دوسروں کے معاملات میں

تحقیق اور تفتیش کرنے کا بڑا ذوق ہے، مثلاً فلاں آدمی کے پاس پیسے کس طرح آرہے ہیں؟ کہاں سے پیسے آرہے ہیں؟ وہ کیسا مکان بنوا رہا ہے؟ وہ کیسی کار خرید رہا ہے، اس کے حالات کیسے ہیں؟ ایک ایک کا جائزہ لینے کی فکر ہے، اور پھر اس تفتیش اور تحقیق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسی چیز سامنے آتی ہے جو خوشنما اور دلکش ہے، لیکن اپنے پاس موجود نہیں، تو پھر اس سے حسد پیدا نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا، اس لئے وہ مقولہ یاد رکھنے کے قابل ہے جو پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ:

"دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو اور اپنے سے کم تر کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھو"

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور راحت

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عرصہ دراز تک مالداروں کے محلے میں رہا، اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا رہا، تو اس زمانے میں مجھ سے زیادہ رنجیدہ اور غم زدہ کوئی نہیں تھا، اس لئے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ اس کا کپڑا میرے کپڑے سے عمدہ ہے، اس کی سواری میری سواری سے اعلیٰ ہے، اس کا مکان میرے مکان سے اعلیٰ ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر وقت اس غم میں مبتلا رہتا تھا کہ اس کو تو یہ نعمتیں حاصل ہیں، مجھے حاصل نہیں، اس لئے مجھ سے زیادہ غم زدہ

انسان کوئی نہیں تھا، لیکن اس کے بعد میں نے اپنی رہائش ایسے لوگوں کے محلے میں اختیار کرلی جو دنیاوی اعتبار سے فقراء اور کم حیثیت کے لوگ تھے، اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کیا، تو اس کے نتیجے میں، میں آرام میں آگیا، اس لئے کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا، اس لئے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا لباس اس کے لباس سے عمدہ ہے، میری سواری اس کی سواری سے اعلیٰ ہے، میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے، چنانچہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے قلبی راحت عطا فرمادی۔

خواہشات ختم ہونے والی نہیں

یاد رکھو، کوئی انسان اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے میں آگے بڑھتا چلا جائے اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ع

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

دنیا کا معاملہ کبھی پورا نہیں ہوتا

اس دنیا کے اندر جو سب سے زیادہ مالدار انسان ہو، اس سے جاکر پوچھ لو کہ کیا تمہیں سب چیزیں حاصل ہوگئی ہیں؟ اب تو تمہیں کچھ نہیں چاہیے؟ وہ جواب میں یہی کہے گا کہ ابھی تو مجھے اور چاہیے، وہ بھی اس فکر میں نظر آئے گا، کہ اس کے مال میں اور اضافہ ہوجائے۔

اس دنیا سے آج تک کسی کا پیٹ نہیں بھرا، جب کوئی خواہش تم پوری کروگے تو اس کے بعد فوراً دوسری خواہش پیدا ہوجائے گی، ہر خواہش ایک

نئی خواہش کو جنم دیتی ہے، اور ہر حاجت ایک نئی حاجت کو جنم دیتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے

کہاں تک حسد کرو گے؟ کہاں تک دوسروں کی نعمتوں پر غم زدہ ہو گے، اس لئے کہ یہ بات تو پیش آئے گی کہ کوئی شخص کسی نعمت میں تم سے آگے بڑھا ہوا نظر آئے گا، اور کوئی شخص کسی دوسری چیز میں تم سے آگے بڑھا ہوا نظر آئیگا، لہٰذا سب سے زیادہ اس بات کا تصور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اپنی حکمت اور مصلحت سے تقسیم فرمایا ہے، اور اس مصلحت اور حکمت کو تم سمجھ بھی نہیں سکتے ہو، اس لئے کہ تم بہت محدود دائرے میں سوچتے ہو، تمہاری عقل محدود ، تمہارا سوچنے کا دائرہ محدود، اس محدود دائرے میں تم سوچتے ہو، اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پوری کائنات کو محیط ہے، وہ یہ فیصلے فرماتے ہیں کہ کس کو کیا چیز دینی ہے؟ اور کس کو کیا چیز نہیں دینی ہے؟ بس اس پر غور کرو گے تو اس کے ذریعہ حسد کا مادہ ختم ہوگا، اور حسد کی بیماری میں کمی واقع ہوگی۔

ایک دوسرے سے بغض، حسد اور قطع تعلق کرنے کی ممانعت

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتباغضوا ولاتحاسدوا ،ولاتدابروا ،ولاتقاطعوا ،وکونوا عباداللہ

اخوانا ،ولایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث ،(متفق علیہ)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ باہم حسد کرو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ دکھاؤ ،نہ باہمی تعلقات منقطع کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔“

فائدہ:

حدیث بالا میں کئی چیزوں سے روکا گیا ہے۔

”لاتباغضوا“ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو،شریعت میں ایک دوسرے سے محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے،بغض کی نہیں اس لئے بغض رکھنے سے منع کیا جارہا ہے،ایسی چیز جو بغض پیدا کرے اس سے بھی بچنا چاہیے۔

”ولاتحاسدوا“ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو،حسد کہتے ہیں کسی پر کسی نعمت کو دیکھ کر تمنا کرنے لگے کہ یہ نعمت اس سے تو ختم ہو جائے خواہ میرے پاس بھی آئے یا نہ آئے ،یہ حرام ہے،اس سے بھی روکا گیا ہے۔

”ولاتدابروا“ ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھاؤ ،مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی برائی نہ کرو۔

''ولا تقاطعوا'' ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ رکھو، دنیادی امور کی وجہ سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہیے اگر ضرورت بھی پڑے تو تین دن کی اجازت ہے اس سے زائد کی نہیں، ہاں اگر کسی دینی امر کی وجہ سے ہو تو اس میں زیادہ دنوں کی بھی گنجائش ہے۔

''وکونوا عباد اللہ اخوانا'' تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن کر رہو، اگر بھائی بن کر رہو گے تو یہ تمام باتیں جن سے منع فرمایا گیا ہے مثلاً بغض رکھنا، حسد کرنا، غیبت کرنا، قطع تعلق کرنا، یہ کوئی بات بھی نہیں پائی جائے گی۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولاتحسسوا ولاتجسسوا ولاتنافسوا ولاتحاسدوا ولاتباغضوا ولاتدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا کما امرکم. (مسلم: ج: ۲)

''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی زیادہ جھوٹی ہے اور عیبوں کی تلاش میں نہ رہو اور نہ جاسوسی کرو اور نہ حرص کرو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، اور نہ ہی ایک دوسرے سے دشمنی اور نہ قطع تعلق کرو اور اللہ تعالیٰ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ جیسا کہ اس نے تم کو حکم دیا ہے۔''

بہترین اور کامیاب شخص کون؟

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قیل یارسول ای الناس افضل قال کل مخموم القلب صدوق اللسان قالوا صدوق اللسان یعرفہ فمامخموم القلب ؟قال ھو التقی النقي لاائم فیہ ولابغی ولاغل ولاحسد

(ابن ماجہ ص ۳۱۱)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون شخص افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہروہ شخص جومخموم القلب ہواورزبان کا سچا ہو، یعنی سچ بول رہا ہو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صدوق اللسان کو ہم پہچانتے ہیں، مخموم القلب کیا ہوتا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا مخموم القلب وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اوراس کا دل پاک ہواس میں گناہ نہ ہواور ظلم اور کینہ اور حسد نہ ہو''

عن ابی ذررضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قدافلح من اخلص قلبہ للایمان وجعل قلبہ سلیماولسانہ صادقا ونفسہ مطمئنة وخلیقہ مستقیمة .

(الترغیب والترھیب ص ۴۳۰ ج ۳)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے خالص کیا اپنے دل کو ایمان کیلئے اور اس کا دل حسد و بغض وکینہ سے سالم کیا گیا اور اس کی زبان سچی کی گئی اور اس کا نفس مطمئنہ بنا دیا گیا اور اس کا اخلاق مستقیم یعنی عدل پر قائم بنا دیا گیا۔''

عن محمد بن زید ان ناسا قالوا لجده عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انا ندخل علی سلاطینا فنقول لھم بخلاف ما نتکلم اذا خرجنا من عندھم قال کنا نعد ھذا نفاقا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ ص ۲۸۶)

''حضرت محمد بن زید بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے بادشاہوں کے ہاں جاتے ہیں تو ہم ان کے سامنے وہ باتیں نہیں کہتے جو ان کے یہاں سے واپس آ کر کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اس طریقہ کو ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نفاق سمجھتے تھے۔''

حسد نہ کرنے پر جنت کی خوشخبری

وعن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال کنا

جلوسا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال
يطلع الآن عليكم رجل من أهل الجنة فطلع
رجل من الأنصار تنظف لحيته من وضوئه قد
علق نعليه بيده الشمال فلما كان الغد قال النبى
صلى الله عليه وسلم مثل ذلك فطلع ذلك
الرجل مثل المرة الأولى فلما كان اليوم الثالث
قال النبى صلى الله عليه وسلم مثل مقالته أيضا
فطلع ذلك الرجل على مثل حاله الأول فلما
قام النبى صلى الله عليه وسلم تبعه عبد الله بن
عمرو فقال إنى لاحيت أبى فأقسمت أنى لا
أدخل عليه ثلاثا فإن رأيت أن تؤوينى إليك
حتى تمضى فعلت قال نعم قال أنس فكان عبد
الله يحدث أنه بات معه تلك الثلاث الليالى
فلم يره يقوم من الليل شيئا غير أنه إذا تعار
تقلب على فراشه ذكر الله عز وجل وكبر حتى
لصلاة الفجر قال عبد الله غير أنى لم أسمعه
يقول إلا خيرا فلما مضت الثلاث الليالى
وكدت أن أحتقر عمله قلت يا عبد الله لم يكن
بينى وبين أبى غضب ولا هجرة ولكن سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لك

ثلاث مرات يطلع عليكم الآن رجل من أهل الجنة فطلعت أنت الثلاث المرات فأردت أن آوى إليك فانظر ما عملك فاقتدى بك فلم أرك عملت كبير عمل فما الذى بلغ بك ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما هو إلا ما رأيت فلما وليت دعاني فقال ما هو إلا ما رأيت غير أني لا أجد في نفسي لأحد من المسلمين غشا ولا أحسد أحدا على خير أعطاه الله إياه فقال عبد الله هذه التى بلغت بك رواه أحمد بإسناد على شرط البخارى ومسلم والنسائى ورواته احتجا بهم أيضا إلا شيخه سويد بن نصر وهو ثقة وأبو يعلى والبزار بنحوه وسمى الرجل المبهم سعد.

(الترغيب والترهيب: ص ۵۴۸ ج۳)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ایک ایسا شخص تمہارے سامنے ظاہر ہوگا جو اہل جنت میں سے ہے پس ایک شخص انصار میں سے ظاہر ہوا جس کی ڈاڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور اس کے جوتے اس کے بائیں ہاتھ میں

تھے۔ جب دوسرا دن آیا پھر آپ ﷺ نے وہی کل والی بات دہرائی ''یعنی ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا چنانچہ اس دن بھی وہی شخص اسی حالت میں آیا۔ جب تیسرا دن آیا تو پھر نبی کریم ﷺ نے وہی پہلی والی بات دہرائی پس وہی شخص اپنی وہی پہلے والی ہیئت پر ظاہر ہوگیا۔ جب نبی کریم ﷺ جانے کیلئے کھڑے ہوگئے تو عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اس شخص کے پیچھے گئے، اور ان سے کہا میں نے اپنے والد کے ساتھ جھگڑا کیا ہے اور میں نے قسم کھائی کہ میں تین دنوں تک ان کے پاس نہیں جاؤنگا (لہذا) اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اپنے ہاں تین دن تک قیام کی اجازت دیدیں کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قصہ سناتے تھے کہ میں نے تین راتیں اس شخص کے ساتھ گذاردیں مگر میں نے دیکھا کہ وہ رات کو عبادت کیلئے تھوڑے سے وقت کیلئے بھی بیدار نہیں ہوئے ہاں میں نے یہ دیکھا کہ جب وہ بیدار ہوتے تھے اور کروٹ بدلتے تھے تو اللہ کا ذکر کرتے تھے اور تکبیر کہتے تھے یہاں تک کہ صبح کی نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ نے فرمایا میں نے ان سے نہ سنا سوائے یہ کہ وہ خیر اور

بھلائی کی بات کہتے تھے جب یہ تین راتیں گزر گئیں قریب
تھا کہ میں ان کا عمل تھوڑا سمجھوں (کہ ہمارے مقابلے میں
ان کا کوئی خاص عمل تو ہے نہیں) میں نے کہا اے اللہ کے
بندے میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ناراضگی
اور غصے کی بات نہیں تھی لیکن میں نے حضور ﷺ سے سنا
آپ کے بارے میں تین بار (تین دن تک) یہی کہتے تھے
کہ ابھی تمہارے سامنے ایک ایسا شخص ظاہر ہونے والا ہے
جو کہ جنت والا ہوگا۔ چنانچہ آپ ہی تینوں بار سامنے آئے
میں نے ارادہ کرلیا کہ میں آپ کے پاس ٹھکانہ پکڑ لوں اور
آپ کے اعمال دیکھوں (جو میں نہیں کرتا) اور آپ کی
اتباع کروں پس میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے ہوئے
نہ پایا پس وہ کونسی چیز ہے جس نے آپ کو یہاں تک پہنچایا
کہ نبی پاک ﷺ نے آپ کے بارے میں جنت کی خوش
خبری دی۔ انصاری صحابی نے کہا اور کوئی عمل ایسا نہیں
سوائے اس کے جو آپ نے دیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیٹ پھیری تو
انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ عمل تو وہی ہے جو آپ
نے دیکھا البتہ اسکے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ میں اپنے
دل میں کسی مسلمان کے ساتھ دھوکہ نہیں کرتا اور نہ کسی
مسلمان کے ساتھ اس چیز پر جو کہ اللہ نے اس کو دیا ہے حسد

کرتا ہوں تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے سن کر کہا یہی وہ چیز ہے جس نے آپ کو اس بلند
مرتبے تک پہنچایا ہے اور یہ نامعلوم شخص حضرت سعد بن
مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے"

غیر اختیاری خیال پر گناہ نہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں، وہ یہ کہ ایک تو ہوتا ہے انسان کے دل میں غیر اختیاری طور پر خیال پیدا ہو جانا کہ فلاں آدمی آگے بڑھ گیا، اس کی وجہ سے دل میں ایک گھٹن سی محسوس ہوتی ہے، یہ غیر اختیاری ہوتی ہے، انسان کے اختیار کو اس میں دخل نہیں ہوتا، غیر اختیاری طور پر دل میں خیال آ گیا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس غیر اختیاری خیال پر کوئی مواخذہ نہیں ہے انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ انسان کے اختیار سے باہر ایک بات آ گئی، اگرچہ غیر اختیاری طور پر آیا اور یہ گناہ نہیں ہے، لیکن خطرناک معاملہ ہے، کیونکہ دل میں یہ بات اگر زیادہ دیر تک بیٹھ گئی تو پھر انسان کو اپنے اختیار سے ایسا کام کرنے پر مجبور کر دے گی جو گناہ ہوگا، کسی کی برائی دل میں آ گئی کہ فلاں شخص بہت بڑھ رہا ہے، بہت چڑھ رہا ہے تو اس کی وجہ سے دل میں گھٹن پیدا ہو گئی تو یہ گھٹن دل میں زیادہ دیر تک رہی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی وقت اس آدمی کو تکلیف بھی پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کی غیبت کرے گا، اس کی برائی

کرے گا، اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔

غیر اختیاری خیال کا علاج دعا و استغفار سے کریں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا علاج یہ ہے، ایک تو یہ جو دل میں آیا ہے، اس کو دل سے برا سمجھے، یعنی یہ خیال جو میرے دل میں آیا ہے، اچھا خیال نہیں آیا، برا خیال آیا ہے، اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، اور دوسرا علاج یہ ہے کہ جس کے بارے میں دل میں حسد پیدا ہو رہا ہے، اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اس اچھائی میں زیادہ ترقی عطا فرما، اگر مال سے حسد ہو رہا ہے تو یا اللہ اس کو اور زیادہ مال عطا فرما، اگر شہرت سے حسد ہو رہا ہے تو یا اللہ اس کو اور زیادہ شہرت عطا فرما، اگر اس کی عبادت اور تقوے سے حسد ہو رہا ہے تو یا اللہ اس کو اور زیادہ عبادت اور تقوے کی توفیق عطا فرما، جس کے دل میں حسد کے خیالات آرہے ہوں، وہ جب یہ دعا کرے گا کہ یا اللہ! اس کو ترقی دے تو دل پر آرے چل جائیں گے، لیکن امام غزالی فرماتے ہیں کہ علاج یہی ہے، چاہے وہ کڑوا گھونٹ معلوم ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، مگر اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما، اور تیسرے یہ کہ لوگوں سے اس کی تعریف کرے، جب یہ تین چیزیں ملیں گی کہ اس خیال کو برا سمجھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے اس پر استغفار بھی کر رہا ہے، اور ساتھ ساتھ دعا بھی

کررہا ہے، کہ یا اللہ اس کے درجے اور بلند فرما دے، اور ترقی عطا فرمادے، اور لوگوں سے اس کی تعریف بھی کررہا ہے تو انشاء اللہ یہ خیال خود اپنی موت مرجائے گا، اور انشاء اللہ حسد کا گناہ اور وبال اس کے سر پر نہیں رہے گا، یہ ہے اس شخص کا علاج جس کے دل میں حسد کا خیال پیدا ہورہا ہو اور یہ بیماری ایسی ہے کہ اکثر و بیشتر انسانوں میں غیر شعوری طور پر بعض اوقات پیدا ہوجاتی ہے، اس پر بڑا دھیان رکھنے کی ضرورت ہے، اس کا علاج کرنے کی ضرورت ہے اور جس شخص سے حسد کیا جارہا ہے اس کے لئے آیت کریمہ ہے کہ ''وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ'' اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے تو انشاء اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو حسد کے شر سے محفوظ رکھیں گے، چاہے وہ حسد کا شر جادو کی شکل میں ہو، عملیات کی شکل میں ہو، یا اور کسی طرح کا ہو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو محفوظ فرمائیں گے۔

حسد کا پہلا علاج ''اللہ کی حکمت و مصلحت پر غور وفکر

اس حسد کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ وہ شخص یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی خاص حکمتوں اور مصلحتوں سے انسانوں کے درمیان اپنی نعمتوں کی تقسیم فرمائی ہے کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو صحت کی نعمت دے دی، تو کسی کو مال و دولت کی نعمت دے دی، کسی کو عزت کی نعمت دے دی، تو کسی کو حسن

و جمال کی نعمت دے دی، کسی کو چین وسکون کی نعمت دے دی، اور اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو کوئی نہ کوئی نعمت میسر ہو، اور کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے رزق دے رکھا ہے، لیکن کھانے کی صلاحیت اور ہضم کی قوت نہیں دی ہے، بہرحال! اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کہ کسی کو کوئی نعمت عطا فرمادی، اور کسی کو کوئی نعمت عطا فرمادی۔

لہٰذا حسد کا علاج یہ ہے کہ حسد کرنے والا یہ سوچے کہ اگر دوسرے شخص کو کوئی بڑی نعمت حاصل ہے، تو کتنی نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں، اور اس شخص کو نہیں دیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بہتر صحت عطا فرمائی ہو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال اس سے زیادہ عطا فرمایا ہو، یا کوئی اور نعمت اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہو، اور اس کو وہ نعمت میسر نہ ہو، لہٰذا ان نعمتوں کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا، ان باتوں کو سوچنے سے حسد کی بیماری میں کمی آتی ہے۔

حسد کا دوسرا علاج ”دنیا و آخرت کے نقصان پر غور و فکر“

اس حسد کی بیماری کا ایک دوسرا موثر علاج ہے، وہ یہ کہ حسد

کرنے والا یہ سوچے کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ جس شخص سے میں حسد کر رہا ہوں، اس سے وہ نعمت چھن جائے، لیکن معاملہ ہمیشہ اس خواہش کے برعکس ہی ہوتا ہے، چنانچہ جس سے حسد کیا ہے، اس شخص کا تو فائدہ ہی فائدہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور حسد کرنے والے کا نقصان ہی نقصان ہے، دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب تم نے دنیا میں اس کو اپنا دشمن بنا لیا، تو اصول یہ ہے کہ دشمن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرا دشمن ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہے، لہذا جب تک تم حسد کرو گے، رنج و غم میں مبتلا رہو گے، اور وہ اس بات سے خوش ہوتا رہے گا کہ تم رنج و غم میں مبتلا ہو، یہ تو اس کا دنیاوی فائدہ ہے، اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ تم اس سے جتنا حسد کرو گے، اتنا ہی اس کے نامہ اعمال کے اندر نیکیوں میں اضافہ ہوگا، اور وہ چونکہ مظلوم ہے، اس لئے آخرت میں اس کے درجات بلند ہونگے، اور حسد کی لازمی خاصیت یہ ہے کہ یہ حسد انسان کو غیبت پر، عیب جوئی پر، چغل خوری، اور بے شمار گناہوں پر آمادہ کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود حسد کرنے والے کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں اس لئے کہ جب تم اس کی غیبت کرو گے،

اور اس کے لئے بد دعا کرو گے تو تمہاری نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں چلی جائیں گی۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ تم جتنا حسد کر رہے ہو، اپنی نیکیوں کے پیکٹ تیار کر کے اس کے پاس بھیج رہے ہو، تو اس کا تو فائدہ ہو رہا ہے، اب اگر ساری عمر حسد کرنے والا حسد کرے گا، تو وہ اپنی ساری نیکیاں گنوائے گا، اور اس کے نامہ اعمال میں ڈال دے گا۔

حسد کا تیسرا علاج "دنیا کی محبت دل سے نکالنے کی ضرورت"

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حسد کی بنیاد ہے حب دنیا اور حب جاہ، یعنی دنیا کی محبت، اور جاہ کی محبت، اس لئے اس حسد کا تیسرا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے دل سے دنیا اور جاہ کی محبت نکالنے کی فکر کرے، اس لئے کہ تمام بیماریوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے، اور اس دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ یہ دنیا کتنے دن کی ہے، کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی، انسان کے لئے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، دنیا کی لذتیں، دنیا کی نعمتیں، اس کی دولتیں، اس کی شہرت، اس کی عزت، اور اس کی ناپائیداری پر انسان غور کرے، اور یہ سوچے کہ کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا، اس کے بعد پھر انسان کے لئے نجات کا کوئی راستہ نہیں

ہوگا، بہرحال، یہ تین چیزیں ہیں، جن کو سوچنے سے اور استحضار کرنے سے اس بیماری میں کمی آتی ہے۔

حاسد سے بدلہ نہ لو، معاف کرو

حاسد کے حسد کا جواب نہ دو، بلکہ اللہ کی پناہ مانگو، اور صبر سے کام لو، اللہ تبارک وتعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، جب بھی کوئی آدمی کسی کی پہنچائی ہوئی تکلیف پر صبر کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو اپنی معیت عطا فرمادیتے ہیں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ.

دوسری جگہ فرمایا:

انما یوفّٰی الصابرون اجرھم بغیر حساب.

صبر کرنے والوں کو صبر کرنے کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تعلیم یہ دی گئی ہے کہ بس یہ کہہ دو:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ○ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ○ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ○ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ○

حسد سے بچنے کے لیے انشاء اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اپنی پناہ میں لے لیں گے اور ہر طرح کے شر سے حفاظت فرمائیں گے۔

حضور ﷺ سے یہودیوں کا حسد

یہ دو سورتیں

قل اعوذ برب الفلق.

اور

قل اعوذ برب الناس.

یہ قرآن کی آخری سورتیں ہیں، اور ان کو معوذتین بھی کہا جاتا ہے، معوذتین کے معنی یہ ہیں کہ یہ وہ دو سورتیں ہیں، جن میں اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان سورتوں کے نازل ہونے کا ایک خاص واقعہ ہے، جن میں یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، صحیح احادیث میں اس کی تفصیل یہ آئی ہے کہ جب نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا، آپ نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزارنے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں مدینہ منورہ میں ایک بڑی تعداد یہودیوں کی تھی، یہودی نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ سے بڑا حسد رکھتے تھے، حسد ان کو اس بات پر تھا کہ یہ یہودی لوگ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے تھے، اور پچھلے تمام انبیاء کرام حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے آئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحبزادے تھے، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام، اور ایک حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسحاق

علیہ السلام کے بیٹے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا دوسرا نام اسرائیل بھی ہے، پچھلے جتنے انبیاء کرام آئے، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں آئے، یعنی بنی اسرائیل میں آئے، یہ یہودی بھی بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ سب سے آخری نبی اور سب سے آخری پیغمبر جو سب سے افضل پیغمبر بھی ہیں، یعنی نبی کریم سرور دو عالم ﷺ، ان کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث کیا گیا، تو یہودیوں کو یہ حسد ہوا کہ اگرچہ ان کی کتابوں میں یعنی تورات میں زبور میں انجیل میں حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری کی بشارتیں موجود تھیں، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے بتایا ہوا تھا کہ آخر میں ہم ایسے پیغمبر بھیجیں گے جو خاتم النبیین ہوں گے، اور جن کی نبوت ساری دنیا کے لئے ہوگی، اور قیامت تک کے لئے ہوگی، یہ ساری باتیں تورات اور انجیل میں پہلے سے موجود تھیں، ان یہودیوں کو یہ خیال تھا کہ جس طرح اب تک سارے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے ہیں، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں آتے رہے ہیں، اسی طرح نبی آخری الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی خاندان میں آئیں گے، لیکن جب وہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں آگئے، تو ان کو حسد ہوگیا، اور اس حسد کی وجہ سے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کو طرح طرح کی تکلیفیں ان کی طرف سے پہنچانے کا سلسلہ شروع ہوا ،حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد یہ چاہا کہ یہودیوں کے ساتھ کوئی دشمنی نہ ہو، چنانچہ ایک معاہدہ کیا کہ بھئی ہم آپس میں امن وسکون کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے، ایک بہت بڑا معاہدہ کیا نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے یہودیوں سے، ظاہر میں تو انہوں نے معاہدہ کر لیا، لیکن اندرونِ خانہ حضور اقدس ﷺ کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، قرآن کریم میں جگہ جگہ ان سازشوں کا ذکر آیا ہے۔

حسد کی وجہ سے یہودی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا

اسی حسد کی وجہ سے ایک یہودی نے حضور اقدس ﷺ پر جادو کر دیا تھا، اس جادو کی وجہ سے نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی، اور ناساز اس طرح ہوئی کہ بعض اوقات آپ کو ایسا ہوتا کہ ایک کام آپ نے کر لیا ہے، مگر خیال ہوتا تھا کہ نہیں کیا، اس طرح کی کیفیت کئی دن تک جاری رہی، ایک دن آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے جو تکلیف چل رہی ہے اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے خواب میں اس کا اصل سبب بتا دیا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

اور میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے آئے اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئے، اور انہوں نے آپس میں گفتگو شروع کی کہ ان صاحب کو کیا ہوا ہے؟ ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے، پہلے فرشتے نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم کے نام سے ایک یہودی ہے، اس نے جادو کیا ہے، پھر پہلے نے سوال کیا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اور کہاں کیا ہے؟ دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ کنگھا کے ذریعہ جادو کیا ہے، اور کنگھا کے اندر جو بال آ جاتے ہیں کنگھا کرتے وقت ان بالوں کو بھی استعمال کیا ہے، پوچھا کہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ وہ ایک کنواں ہے بئر ذروان کے نام سے وہاں پر اس نے جادو کے کلمات پڑھ پڑھا کر وہاں دفن کر دیئے ہیں، یہ ساری تفصیل نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان فرشتوں کے ذریعہ بتا دی گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اس تکلیف کے بارے میں مجھے ساری تفصیل اس طرح بتا دی ہے، چنانچہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

خود اس کنویں کے پاس تشریف لے گئے، اور وہاں جاکر آپ نے دیکھا کہ اس کا پانی بالکل پیلا پڑا ہوا تھا، وہاں سے وہ کنگھا بھی برآمد ہو گیا، کنگھا کے اندر جو بال تھے وہ بھی برآمد ہو گئے، پھر اسی موقع پر یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

قل اعوذ برب الفلق.

اور

قل اعوذ برب الناس.

حسد کرنے والوں سے پناہ ''سورۃ الفلق'' کے آخر میں فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے، اشارہ اس طرف ہے کہ عام طور سے یہ جادو ٹونا جو لوگ کرتے ہیں، یہ حسد کی وجہ سے کرتے ہیں، اس سے بھی پناہ مانگی کہ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے، اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا ساری مخلوق سے اللہ کی پناہ مانگو لیکن بعد میں خاص طور پر ان تین چیزوں کا الگ ذکر کیا، اس واسطے کہ انسانوں کو تکلیف پہنچانے میں ان تین چیزوں کا خصوصی دخل ہوتا ہے، حسد ہی ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعے محسود کو تکلیف پہنچانے کے طریقے لوگ ایجاد کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح اس کو تکلیف پہنچاؤں۔

حسد کا سادہ سا علاج

حسد سے اپنے آپ کو بچائیں اور کبھی محسوس ہو کہ یہ حسد کی بیماری ہمارے اندر جنم لے رہی ہے تو اس کا مختصر سا اور بہت سادہ سا علاج سامنے رکھیے، وہ یہ ہے:

ہمارے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حسد کا سادہ سا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لیے ترقی کی خوب دعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے خواہ مال سے، یا بدن سے یا دعا سے، چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا ان شاء اللہ۔

(انفاس عیسیٰ)

اسی طرح جس سے حسد ہو لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا، جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی برائی کروں، لیکن برائی نہ کرو، بلکہ تعریف کرو، اس میں تمہیں تکلف سے کام لینا پڑے گا، اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے اس مجاہدہ کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری ان شاء اللہ جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسد سے اور تمام امراض روحانی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین